٥

دارالعلوم حقانیہ "اکوڑہ خٹک" کا علمی و دینی

ماھنامہ

الحق

زیرِ سرپرستی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک (پشاور)

REGD. L. NO. 7681 ۱ لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

فہرست مضامین

نقشِ آغاز

اعلانِ تاشقند	ادارہ	۲
شاستری کی سب سے بڑی عدالت میں پیشی	ادارہ	۲
محمد علی کلے کا ایمانی مظاہرہ	ادارہ	۳
نئی حج پالیسی	ادارہ	۴

قرآنی علوم و معارف

ضرورتِ وحی	حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ	۵

دعواتِ عبدیتِ حق

انسان امانتِ خداوندی کو فانی دنیا پر ضائع نہ کرے	حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ	۱۰

ہمارے اسلاف

کشمیر اپنے اسلامی ادوار میں	حضارۃ الاسلام دمشق سے ترجمہ شدہ	۲۶
علم و فضل کی دنیا	مولانا سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ	۳۱

مقالات

اسلام کا تصورِ نبوت	حضرت مولانا حکیم محمود احمد ظفر صاحب سیالکوٹی	۳۲
تفسیر و تعبیر کی آندھیں	رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم	۳۵
قانونِ مکافاتِ عمل	حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب راولپنڈی	۳۷

سیاست و معاشرت

سیاست و تعمیرِ ملت	حضرت مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔اے پشاور	۴۱
حاکم اور رعایا کے فرائض	حضرت مولانا اعزاز علی رح شیخ الادب دارالعلوم دیوبند	۴۷

تبرکات و نوادر

امام اعظم ابوحنیفہ رح کی چند وصیتیں	حضرت مولانا عبدالحمید صاحب سواتی۔ گوجرانوالہ	۴۹
غیر مطبوعہ مکتوب	حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رح	۵۴

تبصرۂ کتب

	ادارہ	۵۵

جلد نمبر ۱ شوال المکرم ۱۳۸۵ھ فروری ۱۹۶۶ء شمارہ نمبر ۵ فی پرچہ پچاس پیسے سالانہ چھ روپے

سمیع الحق (استاد دارالعلوم حقانیہ) طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

تاشقند کانفرنس بخیر و خوبی منعقد ہوئی اور دو ہمسایہ ملکوں کے تعلقات اور امن و سکون کی بحالی کے اعلان پہ ختم ہوئی۔ امن و سلامتی اور باہمی صلح و خیر سگالی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ پھر مسلمان جس کے دین و کلچر کی بنیادیں ہی امن و سلامتی پہ استوار کی گئی ہیں، جس کا مذہب امن و سلام کا علمبردار اور ظلم و فساد تباہی و بربادی کی ظلمتوں میں سرگرداں انسان کیلئے ابدی سکون و چین کا پیغامبر بن کر آیا۔ تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی کا طغرائے امتیاز ہے، کہ اس کے مذہب کا نام اسلام و ایمان (سلامتی اور امن) رکھا گیا۔ اور اس کے پیرو کو مسلم اور مومن (سلامتی اور امن دینے والا) کے پیارے ناموں سے پکارا گیا۔ پھر نہ صرف وہ بے چین انسانیت کو اس فانی زندگی میں صلح و آشتی کے پرسکون لمحات سے نوازتا ہے۔ بلکہ حقیقی اور غیر فانی زندگی کی دائمی مسرّت و شادمانی کا بھی ضامن ہے۔ مسلمانوں کو بدترین دشمن کے بارے میں بھی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ (اور اگر یہ لوگ صلح پر مائل ہوں تو تو بھی مائل ہو جا اور اللہ پہ بھروسہ کئے رکھ۔) —— تو ظاہر ہے۔ کہ اسلامیانِ پاکستان کو اس اعلان سے کتنی خوشی ہوگی اور امن و سلامتی عزیز رکھنے کے لئے اس قوم کے جوش اور ولولوں کا کیا عالم ہوگا۔ مگر امن و سلامتی سے محبت کے باوجود اسلام و ایمان کا علمبردار ایک مومن و مسلم امن و سلامتی، تحمل و رواداری کا پرچم تب لہراتا ہے۔ کہ اس کے غصب کئے گئے حقوق واپس کر دئے جائیں اور اس کے پیدائشی بنیادی حقوق سے نہ کھیلا جائے اور جب تک دنیا کے کسی کونہ میں اس کے عظیم مسلم خاندان کے کسی حصّہ کو امن و سلامتی کی نعمت سے محروم کر کے استبداد و غلامی میں جکڑا جائے گا۔ تو ایک مسلمان اللہ کی تلوار بن کر اس وقت تک نیام میں نہ ہوگا۔ جب تک ملتِ مسلمہ اپنے مجبور و بیکس بھائیوں کو ان کا پیدائشی حق امن و سلامتی آزادی اور حقِ خود ارادی نہ دلا دے اسکی نگاہ میں قومی عزّت و خودداری اور ملّی وقار سب سے مقدم چیز ہے۔ کیا اچھا ہو کہ اعلانِ تاشقند کے بعد بھارت جلد از جلد کشمیر کی سسکتی ہوئی انسانیت کو امن و سلامتی چین و سکون، آزادی و حرّیت کی نعمت دے اور پاکستان کی غیور مسلم قوم کو اپنے روایتی امن و سلامتی کا حقیقی معنوں میں مظاہرہ کرنے دے —— اصل مسئلہ کشمیر کا ہے۔ اور جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا اور حرّیت و آزادی کا علَم کشمیر پہ نہیں لہرایا جاتا تو اسلامیانِ پاکستان کیسے چین و آرام سے بیٹھ سکتے ہیں!؟

بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری وفات پا گئے —— ہمیں اس پہ کوئی حیرت نہیں۔ موت تو سب کو آنی ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ہر انسان کی حقیقی زندگی اس کے مرنے کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔

دنیوی زندگی کے عارضی اور وقتی پردہ سرکنے کے بعد وہاں حقائق کی دنیا اور اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انسان نے دنیا میں جو کچھ کیا مرنے کے بعد اسکے مکافات و محاسبہ کا دور شروع ہوجاتا ہے۔ اب شاستری کا معاملہ بھی اس عظیم و برتر منصف و دانا حاکم رب العالمین کے اُس دربار میں پیش ہے جس سے بڑھ کر کوئی عدالت نہیں۔ اور جس کے سامنے نہ کوئی لن ترانی اور نہ کوئی ملمع سازی اور سیاست وڈپلومیسی کام دے سکتی ہے۔ دنیا کے مصنوعی ایوانوں بین الاقوامی عدالتوں اور جنرل اسمبلیوں میں گرجنے والے بڑے بڑے جابر و قاہر افراد کی زبان اس دربار میں گنگ ہوجاتی ہے۔ اور اللہ کی مخلوق کی قسمتوں سے کھیلنے والے جابرہ فرعون و نمرود، ہٹلر و مسولینی، نپولین، اور چرچل جیسے سورما اس حقیقی عظمتوں کے مالک کے سامنے لرزاں و ترساں ہوجاتے ہیں۔ اور انہیں زندگی کی ہر بڑی چھوٹی ناانصافی اور حق تلفی کا حساب دینا پڑتا ہے۔ لال بہادر شاستری کا واسطہ بھی اس جابر و قہار حی و قیوم احکم الحاکمین سے ہے۔ وہ کشمیر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے مگر پورا ہندوستان بلکہ پوری دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ بیشک ان ربك لبالمرصاد ــــ جبر و ظلم اور فانی طاقت کے گھمنڈ پر لاکھوں کشمیری انسانوں کے بنیادی حقوقِ آزادی کی پائمالی اور خانہ بربادی کروڑوں انسانوں کے امن و سکون کی تباہی یہ سب اعمال ایک ایک کرکے اب اس کے سامنے ہوں گے۔ اور کوئی بڑے سے بڑا عدالتی ادارہ، اقوام متحدہ کی اسمبلیاں ناکام و بے بس ہوکر ظلم و حق تلفی کی حمایت میں ایک لفظ تک نہ کہہ سکیں گی۔ یہاں کے انصاف کے نام نہاد ادارے، اقوام متحدہ اور عالمی رائے عامہ تو انہیں قائل نہ کرسکی۔ مگر اس عظیم دربار میں حقیقت چھپائے نہ چھپ سکے گی۔

آہ! غافل انسان موت کے سامنے کتنا بے بس ہے اور زوال و فنا کے شکنجوں میں کسطرح جکڑا ہوا ہے۔ سوچا کیا ہے ــ اور حکیم و علیم رب کے اٹل فیصلے کتنی مضبوطی سے اس پر حاوی ہوجاتے ہیں۔ وقت موعود آنے پر کوئی طاقت، قوت، رعیت و سیاست ساتھ نہیں دے سکتی۔ کاش! یوم الحساب اور آخروی زندگی کے فطری حقائق پر ایمان نہ رکھنے والے بھی کم ازکم دنیا کی اس بے ثباتی اور موت و فنا کے جابرانہ تسلط سے عبرت لیتے اور زندگی کو عدل و انصاف اور انسانی عزت و احترام کے خطوط پر سنوار لیتے۔ اور اسطرح کم ازکم آنے والی نسلوں کی گرفت اور بے لاگ مؤرخین کی لعنت و ملامت سے تو محفوظ ہوجاتے ــــ

---

(۳)

ایمان وحیا کا کتنا شاندار نمونہ ہے جس کا مظاہرہ دنیا کے سامنے عالمی چمپئن محمد علی کلے نے یورپ کے ظلمت کدہ میں کیا جہاں ایمان و اخلاق وحیا و عفت کے نام کی کوئی شے موجود ہی نہیں وہاں دنیا کے سب سے بڑے گھونسہ باز محمد علی نے اپنی خوبصورت بیوی کو اس بنیاد پر طلاق دی کہ اسکی بیوی موجودہ دور کا چست اور نیم برہنہ لباس پہنتی ہے۔ اور فطری حسن وجمال کے مقابلہ میں غازہ، سرخی اور مصنوعی پلکوں کے ذریعہ اپنے حسن کے مظاہرے کرتی پھرتی ہے۔ جبکہ اسلام ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا ــــ ایک مسلمان بیوی کا شعار تو حیاء پاکدامنی کہ

وہ جب مجبوراً باہر نکلتی بھی ہے تو شرم و حیا کے مارے نگاہ نیچے رکھتی اور دب دب کر چلتی ہے۔ یہ نہیں کہ مال روڈ، شاہراہوں اور مجالس و محافل کلبوں اور تھیٹروں میں تھرک تھرک کر اور ننگی ہو ہو کر شرافت و اخلاق کی مٹی پلید کرتی رہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے تو ایسے باریک لباس پہننے پر بھی اسے لعنت کا مستحق قرار دیا جس سے نظریں پار ہوں یا جس سے محاسن کی نمائش ہوتی ہو۔ اسکا اسلام اسے گھر کی زینت اولاد کی پرورش کرنیوالی معصوم ماں اور رونقِ خانہ بنانا چاہتا ہے۔ مگر وہ نئی تہذیب کی مصنوعی چمک دمک سے مرعوب ہو کر عظمت و عزت و عصمت و عفت کے پاکیزہ آبگینے توڑ دیتی ہے۔ اور چند روزہ آزادی و مسرت کے نام پر بالآخر غلاظت و تعفن کا ایک چھیچھڑا بن کر رہ جاتی ہے۔ جسکے مسموم اثرات سے موجودہ اور آنیوالی نسلیں برابر متاثر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ محمد علی کلے نے فحاشی اور بے حیائی کے گڑھ یورپ میں بیٹھ کر اپنی مطلقہ کو ہزارہا ڈالر سالانہ ادا کرنے کا بارِ گراں اٹھا کر اپنی بیوی سے چھٹکارا پایا۔ اور بقول ایک معاصر اپنی جسمانی قوت کا جیسا زبردست مظاہرہ اس نے دنیا کے سامنے کیا اور سربلند رہا ویسا ہی زبردست مظاہرہ کردار و اصول کی پختگی کا بھی اس نے کیا — کاش! تہذیب و فیشن کے دلدادہ روایتی اور موروثی مسلمان اس نومسلم کے کیریکٹر سے اثر لیں اور نمائشِ حسن و زیبائش پر مٹنے والی عورتیں شرم و آبرو حیا و عفت کے زیور سے آراستہ ہوں —

اس سال حج کی نئی پالیسی کے تحت اس اہم فریضۂ عبادت پر جو پابندیاں لگائی گئی ہیں، افسوس کہ ملک کے دیگر سنجیدہ حلقوں کی طرح ہم بھی اس عاجلانہ فیصلہ کو نہیں سراہ سکتے۔ بلاشبہ ملک کا دفاع وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اس کیلئے ہر قسم کے وسائل و اسباب کی فراہمی اور غیر ضروری مصارف پر کنٹرول لازمی امر ہے مگر جس قوم کو محض اللہ کی نصرت اور اس کے دین کے نام پر فتحمندی و کامرانی نصیب ہوئی اور گویا جس ملک کا وجود ہی دینی اور روحانی اقدار کا رہینِ منت ہے اس ملک کے سرفروش باشندوں کے حج جیسے اہم فریضہ میں اتنی حوصلہ شکنی ہرگز قابلِ تحسین نہیں ہو سکتی۔ اگر حالات کی نزاکت کے باوجود خاندانی منصوبہ بندی اور دیگر غیر مفید منصوبوں پر کروڑوں روپے صرف کئے جارہے ہیں، لاکھوں روپے کی شراب کی درآمد اور عام خرید و فروخت پر پابندی نہیں لگائی جاتی اشیاء تعیش کی درآمد کو ممنوع نہیں قرار دیا جارہا تو کیا وجہ ہے کہ سارا نزلہ اسلام کے اہم اور مقدس ستون فریضۂ حج پر گرے اور حج کے کوٹہ کی مقدار پندرہ، بیس ہزار سے دو، اڑھائی ہزار تک گھٹا دی جائے — جس رب کریم نے ایک کمزور و بیکس قوم کی ۶ ستمبر سے ۲۳ ستمبر تک ہر طرح دستگیری کی۔ وہ یقیناً اپنے غیبی خزانہ سے ہمارے زرِ مبادلہ اور دفاع کی ضرورتوں کو بھی پورا کر سکتا ہے۔ کیا اس قوم نے پچھلے دنوں گنہگار آنکھوں سے غیبی نصرت کا مشاہدہ نہیں کیا۔ پھر کیوں ہم زیادہ سے زیادہ افراد کو اس رب کریم کے در کی چوکھٹ تک پہنچنے کا موقعہ نہ دیں جو خانہ کعبہ کے پردوں کو تھام کر گڑگڑائیں اور ہماری مزید کامیابی و کامرانی کی دعا مانگیں کہ وہی ہمارا اول و آخر حامی و نگہبان ہے۔ ہمیں خدا نے حج کی شکل میں ایک عالمی بین الاقوامی اجتماع میں اپنے مؤقف کی تبلیغ کا موقعہ دیا ہے کیا ہم اس پالیسی سے اس فرصت غنیمت کو گنوا کر اسلام کی عالمی برادری میں اپنی رسوائی کا سامان تو فراہم نہیں کر رہے ہیں؟ ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ اب جب حالات امن و صلح کا رخ اختیار کر چکے ہیں۔ تو اب بھی وقت ہے کہ اس پالیسی پر نظرِ ثانی ہو اور اگر کھلی اجازت نہ ہو تو کم از کم سالہائے گذشتہ کے برابر حجاج کو اس اہم فریضہ کی ادائیگی کا موقعہ ضرور دینا چاہیئے ——

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل —　سمیع

قرآنی علوم و معارف

قسط ۳

ضرورتِ وحی

از افادات حضرت محقق العصر علامہ شمس الحق افغانی مدظلہٗ
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور
(ضبط و ترتیب ادارۂ الحق)

صحابہؓ کے ارواح رنگین تھے۔ اس لئے جب غیروں سے ٹکر ہوتی تو اسے پاش پاش کر کے رکھ دیتے ــــ اسلام کی ترقی کے دور میں ہمیں ایک واقعہ بھی خودکشی کا نہیں ملتا اور آج یورپ و امریکہ میں روزانہ یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے ارواح میں حیات نہیں، یہ لوگ ناموافق ماحول اور غم و پریشانی کا مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے قرنِ اوّل کے باشندے اپنے ماحول اور حالات کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اس لئے مسلمان مصائب کی چکی میں پستا اور شدائد کے چکر میں پھنستا پھر بھی مطمئن ہوتا ــــ

امام غزالیؒ کی سرگردانی امام غزالیؒ بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس تھے۔ درس میں طلبہ کے علاوہ تین سو علماء اور ایک سو تک امراء بھی شریک ہوتے تھے۔ لیکن غزالیؒ نے جب مراقبہ کیا تو عالم ہی اور پایا۔ سب کو چھوڑ کر جنگل کو نکل بھاگے۔ لوگوں نے تلاش شروع کی تو پھٹے پرانے کپڑوں میں جنگل میں انہیں صحرا نوردی کرتے ہوئے پایا۔ کندھے پر چھاگل ہے اور بغل میں گدڑی۔ کسی نے عرض کیا کہ کیا بغداد کے مدرسہ کی صدارت اس سے بہتر نہ تھی۔ غزالیؒ نے متعجبانہ انداز میں کہا ؎

ترکت ھوی لیلیٰ و سعدیٰ بمنزل
وعدت الی تصحیح اوّل منزل

مولانا بہاؤالدینؒ بھی کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

امام غزالیؒ اس دورِ گوشہ نشینی کے بارہ میں خود کہتے ہیں۔ کہ میں دمشق کے ایک زاویہ میں گمنام پڑا رہتا۔ (یہ زاویہ آج تک زاویہ غزالیؒ کے نام سے مشہور ہے۔) اور فکر میں مشغول رہتا۔ جب تھک جاتا تو مسجدِ جامع میں آجاتا۔ اسی اثناء دمشق کے قاضی میری تصنیف کا درس دیا کرتے اور بعض مسائل میں میرا حوالہ دے کر کہتے کہ قال الغزالی کذا۔ (غزالی نے اس بارہ میں یہ کہا) میں بھی درس میں شرکت کرتا۔ اور انہیں علم تک نہ ہوتا کہ غزالی یہاں موجود ہے۔ امام نے احیاء العلوم بعد میں لکھی۔ امام فلسفی بھی رہے اور فقیہ بھی۔ اور علمی شان یہ کہ یورپ میں ان کے نام کے ہال بنے ہوئے ہیں۔ جن میں ان کی علوم و افکار و نظریات کی تعلیم دی جاتی ہے ــــــ مگر امام غزالیؒ عارف باللہ اتنے طویل مجاہدوں کے بعد ہی ہوئے۔

علم فرض ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ جس طرح طریقت بغیر شریعت کے گارے اور کاغذ کے پھول کی مانند ہے کہ رنگ تو ہو مگر خوشبو نہ ہو۔ یہی حال شریعت کا بغیر طریقت کے ہے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن　　　سینہ را از نورِ حق گلزار کن

۵ــــ دلیل برہان تلطیفی

لطافت و کثافت دو متضاد چیزیں ہیں۔ کائنات کا فلسفہ ہے۔ کہ جو چیز جس قدر لطیف ہوگی، اتنی ہی قوی ہوگی۔ اور اس میں طاقت زیادہ ہوگی۔ اور جو جس قدر کثیف ہو وہ اتنی ہی کمزور ہوگی۔ جو چیز عام طور پر مادہ اور رویت سے بعید ہے وہ لطیف ہے۔ اور جو قریب ہو وہ کثیف ہے۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ لطیف اشیاء کا مادہ نہ ہو۔ مثلاً فرض کریں کہ زمین کثیف اور ہوا لطیف ہے۔ ہوا نظر نہیں آتی اور زمین نظر آتی ہے۔ مگر مادہ دونوں کا موجود ہے۔ لیکن زمین کا مادہ سے جتنا تعلق ہے۔ اتنا ہوا کا نہیں۔ اور قریب نہ ہونے کی بڑی دلیل اس کا رویت سے غیر متعلق ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ جو چیز دائرہ محسوسات میں ہے وہ کثیف ہے۔ اور جو اس سے باہر ہے، وہ لطیف ہے۔ موجودہ زمانہ میں طاقت کا مظہر سٹیم ہے۔ ریل کی مشین میں پانی ڈالا جاتا ہے۔

اور نیچے آگ جلائی جاتی ہے۔ اس سے بھاپ پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی سٹیم ہے۔ جو بوجھل اور بھاری ریل کو دوڑاتی ہے۔ اگر انجن میں صرف آگ یا پانی ہوتا تو اسے نہ دوڑا سکتی۔ ان دونوں کی ایک لطیف ترکیب سے سٹیم بنی ـــــ خود انسان کا جسم کثیف اور روح لطیف ہے۔ جسم کی لطافت بھی روح کی وجہ سے ہے۔ اگر روح ختم ہو جائے اندر سے۔ تو وجود اور جسم سڑ جاتا ہے ـــــ اور روح انسانیہ سے زیادہ ملائکہ قوی ہیں۔ ایک فرشتہ نے پر کی نوک سے قوم لوط کو زمین سمیت الٹ دیا تھا۔ اگر سارے انسان مل کر زمین کا وہ ٹکڑا سیدھا کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔

جامع صغیر میں علامہ سیوطی نے حدیث نقل کی ہے کہ قوۃ الملك کقوۃ الثقلین۔ (فرشتے کی طاقت جن و انس دونوں کی طاقت کے برابر ہے۔) ـــــ یہ مثال اور برابری قوت صرف حدیث کی وجہ سے ہے۔ ورنہ ایک فرشتہ کی طاقت ابتدائے آفرینش سے لیکر وہ انتہائے عالم تمام ثقلین کی طاقت کے برابر ہے۔ تمام موجودات سے الطف ذات باری تعالیٰ ہے۔ کیونکہ فرشتے کبھی کبھار انسانی شکل میں متشکل ہو جاتے ہیں۔ جیسے حضرت مریم کے سامنے روح الامین ہوئے۔ یا جیسے کہ حضرت جبریل دحیۃ کلبی کی شکل میں حضور کے پاس حاضر ہوتے۔

اس قاعدہ تمہیدیہ کے بعد ہم کثیف اور لطیف اشیاء کے مضرات و منافع کا بیان کرتے ہیں۔ اسکی مثال جیسے زہر کی ہے۔ جو در اصل سفید رنگ اور چمکدار معدنی پتھر ہوتا ہے۔ جس کے کھانے سے حیوانات مرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فطری یا مصنوعی دوا تریاق ہے۔ بعض سانپوں کے سر میں ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے۔ جو زہر مورہ کہلاتا ہے۔ اور تریاق کا کام دیتا ہے۔ بعض تریاقی دوائیں اطباء نے بھی تیار کی ہیں۔ بہرحال زہر و تریاق دونوں کثیف چیزیں ہیں۔ جن کا تجزیہ و تحلیل، رویت اور مسح ہو سکتا ہے۔ زہر میں مضرت پنہاں ہے۔ اور تریاق میں منفعت، اور دونوں مادی اشیاء ہیں۔

اس کے مقابلہ میں دو روحانی چیزیں جو لطیف بھی ہیں۔ اور غیر محسوس بھی یہ ایمان اور کفر ہے۔ اور دونوں قلب کی کیفیات باطنی ہیں۔

ایمان کی تعریف

اب جب ایمان کا ذکر آگیا ہے۔ تو مناسب ہے کہ ایمان کی تعریف بھی کر دوں ـــــ بقول رازی:

هو التصديق بجميع ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم ضرورة اجمالاً فيما علم اجمالاً وتفصيلاً فيما علم تفصيلاً

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن جن چیزوں کو لیکر آئے اسکی تصدیق ایمان ہے۔ جو اجمالاً معلوم ہوئیں۔ اس کا اجمالی اور جو تفصیلاً معلوم ہوئیں اس کی تفصیلی تصدیق۔

منیرؔ نے انکوائری رپورٹ دربارۂ مرزائیت میں یہ لکھا کہ "علماء پاکستان ایمان کی تعریف نہ کرسکے" ــــ مقدمۂ بہاولپور کے تاریخی مقدمہ میں جج محمد اکبر نے فیصلہ کرتے ہوئے قادیانیوں کو مرتد قرار دیا۔ اور انہوں نے فیصلہ کے ضمن میں لکھا کہ ایمان کی سب سے بہتر تعریف علامہ انور شاہ صاحبؒ نے کی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس دور میں مختصر اور جامع تعریف یہی ہوسکتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کونسی تعریف تھی۔ فرمایا مختصر تعریف یہ ہے کہ پیغمبر کے باور پر بات ماننا اور اس میں عقل کو کوئی دخل نہ دینا۔ اور جنت بھی اسوقت ملتی ہے۔ جب خدا اور رسول پر پورا اعتماد ہو۔ تو حاصل یہ ہوا کہ ایمان موجبہ کلیہ ہے۔ اور اسکی نقیض سالبہ جزئیہ ہے۔ یعنی انکار بعض ضروریاتِ دین بسبب کفر ہے۔ اس صورت میں ایک جزءِ دین بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے سب ضروریاتِ دین پر یقین کا نام ایمان ہے۔ انکار یا بے یقینی یا بعض کا انکار کفر ہوگا۔ اور یہ دونوں کیفیات قلب کی ہیں ـــ تو اب معلوم ہوا۔ کہ مادیات کا علم حواس و عقل سے متعلق ہوتا ہے۔ یا بالفاظِ دیگر امور کشفیہ کا تعلق علم، عقل اور تجربہ سے ہے۔ اور امور دینیہ کا تعلق علم وحی اور کلام الٰہی ہے۔

تریاق مزیل زہر ہے۔ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ سم النار مہلک ہے۔ مگر کفر زہر باطنی ہے۔ اور ایمان تریاق ہے۔ ان امور کا علم وصفات کا علم کیسے حاصل ہو؟ وحی ہی کے ذریعہ سے یہ علم حاصل ہوسکتا ہے ــــ علیٰ ہذا القیاس طاعت و معصیت۔ یعنی ایمان اور طاعت کی منفعت۔ اور کفر و عصیان کی مضرت کا تعلق بھی محسوسات سے نہیں تو ان کا علم بھی وحی ہی سے ہوگا۔ سرچشمۂ علوم لطیفہ کا الطف الموجودات رب تعالیٰ ہے۔ اس لئے یہ اس سے متعلق ہیں۔ جسطرح روح تجربہ سے باہر ہے۔ اسطرح اس کے اوصاف یعنی ایمان و کفر بھی تجربہ سے بالاتر ہیں۔ ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔

مادیات کی پیدائش کو قرآنی اصطلاح میں خلق اور روحانیات کی پیدائش کو امر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ الا لہ الخلق والامر (اس کے لئے خاص ہے خلق اور امر) قرآن اور وحی عالم امر کی چیزیں ہیں۔ اور قاعدہ ہے۔ کہ جو چیز جس سرچشمہ سے نکلی ہو اس کا علم بھی اسی سے ہوتا ہے۔ مثلاً روح اور اسکی صفات کا علم۔ اس کا سرچشمہ ذاتِ ربی ہے۔ جبکہ خداوند کریم نے خواص مادیات کے لئے عقل اور تجربہ کا انتظام کیا اور خواصِ روحانی کے لئے انتظام اگر نہ فرماتے توفیض الٰہی کے فیضان کے خلاف ہوتا۔ خدا نے جس کا کام فیضان ہے، احکامات واضح فرمائے۔ تاکہ بندہ نافع کو اختیار کرے اور مضرات سے بچے۔ تو مادیات کے خواص کیلئے طب جسمانی اور عقل و تجربہ کی

ضرورت اور روحانیات کیلئے طب روحانی اور وحی کی ضرورت ہے ۔۔۔ وننزّل من القرآن ماھو شفاءٌ ورحمۃ للمومنین ۔ (ہم قرآن کی صورت وہ چیزیں اتارتے ہیں ۔ جو مومنین کے لئے شفاء اور رحمت ہے ۔) عقائد باطلہ ، اخلاق رذیلہ ، اور اعمال سیئہ سے نجات حاصل کرنا شفاء اور ان کے متبادل عقائد حقہ ، اخلاق حمیدہ اور اعمال صالح سے مزّین ہونا رحمت باری تعالیٰ ہے جس کا ذکر آیت سابقہ میں ہے ۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ ۔ جسکی تفسیر قرآن مجید سے کی گئی ہے ۔۔۔ ولا یزید الظلمین الا خسارا ۔ (اور ظالمین کو نہیں بڑھاتا مگر تباہی اور نقصان ۔) یعنی جو صاحب استعداد ہیں ، ان کے لئے شفاء و رحمت ہے ۔ اور جس میں جیسی ہی استعداد ہو گی ویسا ہی فیضان ہو گا ۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

اب سوال یہ ہے ۔ کہ دو متضاد چیزیں کیسے حاصل ہوتی ہیں جبکہ ان کا مؤثر ایک ہی چیز ہے ۔ یعنی قرآن کریم سے دو متضاد چیزیں کیسے حاصل ہو رہی ہیں ۔ کہ مضامین قرآن ایک کے لئے رحمت و شفاء اور دوسرے کے لئے باعث عذاب اور گمراہی ہوں ۔۔۔ شیخ ابن سینا نے الٰہیات اشارات میں لکھا ہے کہ ایک فاعل کا فعل دو قابلین مختلفین میں دو متضاد اثر کرتا ہے ۔ جیسے ضوء الشمس تبیضّ ثوب القصّار ولیسوّد بدنہٗ [1] ۔ یہاں اثرات دو ہیں ۔ کیونکہ قابلیت میں فرق تھا ۔ اس لئے جو بھی قابلیّت تھی وہ ابھر آئی ۔ ثوب میں قابلیّت تنوّر ہے ۔ جو ضوء شمس سے ابھری اور قصار (دھوبی) میں قابلیّت تسوّد تھی وہ بھی ابھر آئی ۔ اسی طرح وحی کا حال ہے ۔

وحی مثل بارش ہے

اسکی دوسری مثال بارش سمجھیں ۔ زمین میں گندم اور زقوم دونوں کا بیج ہے ، باران رحمت ہوئی ، باران کا کام حیات دینا ہے ۔ اس نے اسی استعداد کو ابھارا جو بیج میں تھا ۔ گندم کو گندم کی مناسب حیات بخشی اور زقوم کو اس کی مناسب حیات دی ۔ اس میں باران کا قصور نہیں ۔ خلاصہ یہ کہ عقل اور قرآن دونوں انسان کے لئے ضروری ہیں ۔ عقل امور مادیہ کی مضرّت و منفعت میں تمیز کے لئے ضروری ہے ۔ اور روحانی امور میں وحی کی ضرورت پہلی ضرورت سے بھی زیادہ ہے ۔۔۔ حیات مادی حیات دنیویہ ہے ۔ زہر کی تاثیر سے صرف حیات دنیویہ ختم ہو گی جو چند روزہ ہے ۔ لیکن حیات ابدی کا نقصان بہت زیادہ ہے ۔ اب خدا نے کم درجہ کی ضرورت کیلئے عقل کا انتظام فرمایا ۔ لازمی تھا ۔ کہ بڑے درجہ کی چیز کیلئے جو انتظام فرماتے وہ بھی بڑا ہوتا ۔ سو وہ وحی اور کلام الٰہی کی شکل میں ہوا جسکے آغاز میں ھدیً للمتقین کہا گیا ۔ اس میں سوال ہوتا ہے ۔ کہ متقین کے لئے ہدایت تو بے معنی ہے ۔ کیونکہ متقی تو پہلے (باقی صفحہ ۲۵ پر)

---

[1] یعنی سورج کہ جس سے دھوبی کے کپڑے سفید اور اس کا بدن سیاہ ہوتا ہے ۔۔۔ (ادارہ)

دعوات عبدیت حق
سلسلہ نمبر ۵

ازافادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

انسان امانتِ خداوندی کو فانی دنیا پر ضائع نہ کرے

خطبۂ جمعۃ المبارک

(ضبط و ترتیب ادارہ الحق)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق

اللہ جل جلالہٗ نے یہ سارا عالم اور مخلوقات انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا عرش سے فرش تک جتنی اشیاء ہیں سب سے ہماری حاجات وابستہ ہیں۔

مخلوقات کو امانتِ الٰہی کی پیشکش | خداوند کریم نے اس کارخانۂ کائنات کی پیدائش کے بعد اسکی تمام مخلوقات یعنی آسمان و زمین پہاڑ دریا سب کو اپنی امانت پیش فرمائی اور ان تمام مخلوقات کو اس کارخانہ کے سنبھالنے اور ٹھیک ٹھیک انتظام چلانے کی پیشکش کی۔ مگر آسمان و زمین اور پہاڑوں نے اپنی عجز اور کمزوری پر نظر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی کہ اس عظیم عالم کے نظام کو صحیح طریقہ سے سنبھالنا مشکل کام ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض	ہم نے امانتِ الٰہی آسمانوں اور زمینوں کو پیش
والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا	کی اور پہاڑوں کو پھر کسی نے اس کے اٹھانے
وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً[1]	کو آمادگی ظاہر نہ کی اور اس سے ڈر گئے۔ اور
	اٹھالیا اسکو انسان نے بے شک یہ بڑا بے ترس اور نادان ہے۔

[1] ظلوم وجہول — ظالم وجاہل کا مبالغہ ہے۔ ظالم وجاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل و علم سے خالی ہو مگر استعداد و صلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدفطرت سے علم اور عدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اس سے جدا نہیں ہوتے۔ (مثلاً ملائکۃ اللہ) یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی — (مثلاً زمین و آسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانتِ الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ (افادات مولانا عثمانیؒ)
حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے ؟ پرائی چیز رکھنی دینی خواہش کو

(باقی اگلے صفحہ پر)

امانت الٰہی سنبھالنے کی یہ پیشکش اس وجہ سے بھی تمام مخلوقات کو کی گئی کہ بعد میں مخلوقات میں سے کسی کو شکوہ و شکایت کی مجال نہ رہے۔ کہ صرف انسان کو یہ عظیم بار امانت کیوں سونپ دیا گیا اور اسے کیوں تمام مخلوقات پر فضیلت و برتری عطا کی گئی۔ مگر محکوم اور رعایا بننا آسان ہے۔ اور منتظم و حاکم بننا بڑا مشکل کام ہے۔ اگرچہ امانت الٰہی کی عظیم ذمہ داری قبول کرنا بہت بڑی عزت ہے۔ مگر اسکی رعایت نہ رکھنے اور اس امانت میں خیانت کرنے کی سزا بھی بہت سخت ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں کو بھیجا کہ زمین کی سطح سے مشت بھر مٹی اٹھالائیں۔ اللہ کے مقرب فرشتے جبرئیلؑ، میکائیل، اسرائیل علیہم السلام یکے بعد دیگرے آئے اور زمین سے مشت بھر خاک اٹھانے کی اجازت چاہی زمین نے بڑی منت سماجت کی کہ مجھ سے خاک نہ لیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا واسطہ دیا۔ زمین نے کہا کہ اگرچہ اس مٹی سے بہترین اور اشرف مخلوق (انسان) بنایا جائے گا۔ لیکن اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی اختیار کی تو پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ سب فرشتے زمین کی معذرت سن کر واپس چلے گئے۔ آخر میں حضرت عزرائیل آئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سب سے مقدم ہے۔ اور مٹی اٹھاکر لے گئے۔ تو جب یہ مشت خاک زمین سے عزرائیل نے اٹھائی اب اس کا واپس کرنا بھی حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی کے ذمہ ہوا یعنی اس کے ذمہ ارواح قبض کرنے کا کام ہے۔ کہ جسد عنصری جو خاک سے پیدا ہوا ہے اسکو زمین کی طرف لوٹانا بھی عزرائیل کے ہاتھوں ہو۔ تو امانت کی ناقدری بہت بڑی گرفت کی چیز ہے۔ اس وجہ سے آسمانوں اور زمینوں نے معذرت کی اور اس بوجھ کے برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے ——

امانت کی ذمہ داریاں

وحملها الانسان۔ الخ انسان نے اس بار امانت کو اٹھایا۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اور انسان اس عظیم بار کو اٹھانے کے لئے تیار ہوا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کی سرشت اور خمیر میں

صفحہ ۱۰ سے آگے :- روک کر آسمان و زمین وغیرہ میں اپنی خواہش کچھ نہیں یا ہے تو وہ ہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے اس پرائی چیز یعنی (حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تقاضا بڑا زور چاہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے اب بھی یہ ہی حکم ہے۔ کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کردے تو بدلہ (ضمان) دینا پڑے گا۔ اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں۔ (موضح القرآن)

عشق و محبت کی چنگاری رکھی گئی تھی۔ اور جب ایک عاشق کو معشوق کی طرف سے کوئی حکم ملے، چاہے اشارۃً ہو، عاشق اسے کر سکے یا نہ اس کام کو سنبھال سکے یا نہیں مگر تعمیل حکم میں ٹال مٹول اور پس و پیش نہیں کرتا۔ تم نے مجازی عشاق کے واقعات پڑھے ہوں گے۔ فرہاد کو کہا گیا کہ پہاڑ کھود ڈالو، وہ عاشق تھے نہ سوچا نہ سمجھا کہ پہاڑ کس طرح کھودا جا سکتا ہے۔ اور دودھ کی ندیاں کیسے بہائی جا سکتی ہیں۔ بلکہ فوراً تعمیل حکم میں لگ گیا اور پہاڑ کھودنے لگا۔ جب عشق مجازی اور فانی محبت کی یہ تاثیر ہے تو عشقِ حقیقی محبتِ الٰہی میں تو اس سے ہزار درجہ تاثیر اور قوت ہو گی۔

انسان نے اپنے محبوبِ حقیقی یعنی خداوند تعالیٰ کی یہ پیشکش خوشی خوشی قبول کی اور اس طرح خلافت و نظامت کا تاج، انتظام و نیابت کا لباسِ فاخرہ پہن لیا۔ تنظیم کا مطلب یہ کہ اب ہر ایک چیز کو اپنے موقع اور محل میں استعمال کرے گا۔ ہر کام کو ٹھیک طرح اندازہ کے مطابق تحلیل و ترکیب دے گا۔ اور اس امانت اٹھانے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس کو تمام مخلوقات کی حاکمیت عطا فرما دی۔ اور تمام اشیاء بر و بحر کو انسان کے لئے مسخر بنا دیا۔

اللہ الذی خلق السموٰت والارض وانزل	اللہ وہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین
من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات	اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے نکالی
رزقاً لکم وسخر لکم الفلک تجری فی البحر	روزی تمہاری، میوے اور مسخر کیا تمہارے
بامرہ وسخر لکم الانہار وسخر لکم الشمس	لئے کشتی کو اس کے حکم سے دریا میں چلے اور
والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار	کام میں لگایا تمہارے لئے ندیوں کو اور
واٰتاکم من کل ما سألتموہ وان تعدوا	اور سورج اور چاند کو ایک خاص دستور و نظام
نعمۃ اللہ لا تحصوھا ان الانسان	کے مطابق اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے
لظلوم کفار۔	رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر چیز میں سے

جو تم نے مانگی اور اگر گنو اللہ کے احسانات نہ پورے کر سکو۔ بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

آج سمندروں اور ہواؤں پر انسان کا تسلط ہے سمندروں کی لہریں انسان چیر رہا ہے۔ اور ہواؤں میں اسکی پرواز ہے۔ یہاں تک کہ خلا کو بھی عبور کرنے کی کوششیں جاری ہیں، پہاڑوں کے جگر انسان شق کر رہا ہے اور زمین انسان ہی کے بموں سے لرز اٹھی ہے یہاں تک کہ ترقیٔ انسانیت کا نکتہ عروج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی شکل میں ظاہر ہوا کہ حضورِ اقدسؐ شبِ معراج کو عرش تک اور سدرۃ المنتہیٰ سے

بھی اوپر تشریف لے گئے اس سے انسانی شرافت وعروج کا ظہور ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلا کے اندر یا خلا کو چیر کر آگے گذرنا ناممکن نہیں ـــــ ہمیں اللہ تعالیٰ نے موقع دیا کہ اس شرافت اور قوت اور تسخیر و تسلط کو آخرت اور اس امانت کے صحیح استعمال کا ذریعہ بنا دیں عقل و سمجھ دی اور دنیا بھر کی اشیاء کا ایک بازار انسان کے امتحان و آزمائش کیلئے لگا دیا۔ مگر افسوس کہ موجودہ زمانہ کا انسان صرف ان اشیاء کی ترقی ہی میں کوشاں ہے۔ اسی بازار ہی کو منتہائے حیات اور مقصدِ زندگی سمجھ بیٹھا ہے۔ اور امانتِ الٰہی کی روشنی میں اسے آخرت کا ذریعہ بنانے سے غافل ہے ـــــ حالانکہ یہ سب کچھ فانی اور چند روزہ

دنیا کی حقیقت اور بے ثباتی

ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہے خواہ زمین ہے یا بنگلہ سلطنت ہے۔ یا قوت و سطوت۔ تجارت ہے یا ملازمت۔ حسن ہے یا مال و متاع وہ سب کچھ ختم ہونے والا ہے۔ اور اللہ کے ہاں جو کچھ ہے وہ باقی اور دائم ہے۔ یہاں اگر بڑھاپا ہے۔ یا جوانی۔ بچپن ہے یا شباب غرض علم ہے یا کم وکیف ہے سب کچھ زائل ہونے والا ہے۔ بادشاہت ساتھ جائے گی نہ وزارت نہ زمین نہ زر و زن۔ سب کچھ یہاں رہ جائیگا۔ جو چیزیں فانی ہونے والی ہیں اس کے لئے کہیں خدا کو نہ بھول جاؤ۔ رسول اللہ اسلام اور مذہب سے غافل نہ ہو جاؤ۔ یہاں کی کوئی چیز پائیدار نہیں سب کچھ بے وفا ہے۔ عزّت و منصب عارضی ہے۔ پچھلے دنوں اخبار میں نظر سے گذرا کہ صدرِ پاکستان جب لاہور آئے تو ہوائی اڈہ پر بہت سے لوگ استقبال کے لئے موجود تھے۔ مگر پرانا وزیر ایک بھی نہ تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا تو کہا اب ہمیں شرم آتی ہے کہ عوام کی صف میں استقبال کیلئے کھڑے رہیں۔ کیونکہ وزارت کے بعد ہمیں خاص لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونے کی رعایت نہیں تو بھائیو یہ حال ہے دنیا کی وزارت و مناصب کا۔ یہ دنیا کی بادشاہت اور صدارت ہے جسکے لئے ہم شب و روز لڑ رہے ہیں۔ ہماری مثال ان بچوں کی طرح ہے جو آپس میں مل کر گائے بھینس کا گوبر اکٹھا کرتے ہیں جب ڈھیر بن جائے تو بچے اسے آپس میں تقسیم کرنے لگتے ہیں۔ پھر تھوڑے سے تھوڑے گوبر کیلئے باہم دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ ہر روز تم یہ تماشا دیکھ سکتے ہو۔ یہی حال مال دنیا کیلئے شر و فساد کا ہے ـــــ اگر ایک شخص نے یہاں اکوڑہ میں جائیداد بنائی، بنگلہ بنایا، اس میں باغیچہ لگوایا۔ مگر جب لاہور یا جدّہ جاتا ہے تو اپنے ساتھ انہیں نہیں لے جا سکے گا۔ وہاں کرایہ پہ کمرہ یا ہوٹل یا سرائے میں رہے گا۔ البتہ روپے پیسے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ مگر وہ بھی محدود مقدار میں ہندوستان جائے گا۔ تو صرف پچاس روپے اور اگر مکہ معظمہ یا مدینہ جانا ہو تب حکومت کا منظور کردہ مقدار ساتھ

لے جا سکے گا۔ اگر اس کے پاس کروڑوں روپے ہوں تو دنیا کی بے وفائی کا جب یہ حال ہے۔ کہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکی تو اس عالم سے دوسرے عالم تک کب وفاداری کر سکے گی۔ بلکہ مرنے کے بعد جب اسے برزخ اور دوسرے عالم میں تنہا جانا پڑتا ہے۔ تو کپڑے تک بھی اتار دئیے جاتے ہیں۔ یہ پگڑی کوٹ اور جوتے بھی الگ کر دئیے جاتے ہیں جسطرح ماں سے پیدا ہوئے اسی طرح جانا ہوگا ——

ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق ۔ اسلام ہمیں دنیا کے کاروبار سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ یہ زندگی کیسے گذاری جائے ۔؟ اسکی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کا کام کرتے رہو۔ مگر اللہ کے بتلائے ہوئے راستوں اور رسول اللہ کے طور طریقوں پر چل کر۔ مگر جو لوگ اللہ اور رسول کا حکم نماز روزہ میں نہ مانیں تو دنیاوی امور میں ان سے کیا توقع ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ اگر جوا رشوت خوری، ظلم اور کھانے پینے کی اشیا میں دھوکہ اور ملاوٹ نہ کی گئی تو کھائیں گے کہاں سے۔ تو ماں کے پیٹ میں کس نے رزق دیا۔ کیا وہاں بھی جوا رشوت، اور چوری کی جاتی تھی ۔؟ جس رب نے وہاں بغیر حرام و چوری کے حلال اور پاکیزہ رزق دیا کیا وہ یہاں ہمیں حلال رزق نہیں دے سکتا۔ کیا اس کے ربوبیت عامہ سے عقیدہ ہٹ گیا ہے۔؟ پیدائش کے متصل بعد ماں کے سینہ سے دو چشمے دودھ کے جاری کروائے۔ اب بھی وہی رب ہے۔ اور کوئی تو نہیں ہے۔؟ ہم اپنا مقصد بھول گئے۔ اپنے رب کو بھول گئے۔ توکل اور بھروسہ اللہ پر نہیں رہا۔ حالانکہ رزق کا کفیل وہی ہے۔ یہ چیز اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ جب تک انسان اس کے فرائض اور احکام کو بجالاتا رہے گا۔ گویا اسباب پر اتنا بھروسہ ہے۔ کہ اگر قبر میں فرشتے سوال کریں کہ من ربک تیرا رب کون ہے تو جو زمیندار قانونِ خداوندی کا پابند نہ ہو وہ جواب میں زمینداری ہی یاد کرے گا۔ دوکاندار دوکانداری اور ملازم ملازمت کا ذکر کرے گا۔ کہ انہی اشیاء کو دنیا میں اپنا رب سمجھا تھا۔

یہاں تو منافقت سے کام چل جاتا ہے۔ واللہ العظیم منافقت وہاں کی وہاں قبر میں نہ چل سکے گی۔ اگر یہاں عقیدہ نہ ہو کہ اللہ ہی پالنے والا ہے۔ تو وہاں ہرگز نہ کہہ سکے گا۔ کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور جس کا عقیدہ بن جائے کہ اللہ ہی رب ہے۔ تو پھر وہ ملازمت، تجارت، زراعت میں اللہ کی مرضی کی تعمیل کرے گا۔ اس کے احکام کی رعایت رکھے گا۔ اور مخالفت شرع اس سے ناممکن ہوگی۔ خداوند کریم کی خوشنودی کیلئے جس نے

اللہ کی ربوبیت عامہ پر اعتماد کی ایک مثال اور اسکی برکات

کام کیا اس نے بقاء حاصل کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بچے جو اس وقت اکلوتے بیٹے تھے۔ اور اپنی وفا شعار بیوی کو ایک ویرانہ اور جنگل میں چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔ کہ وہاں اللہ کا گھر اور مسجد آباد ہو جائے نماز شروع ہو تو مالک الملک کے حکم کی تعمیل میں اپنا بچہ اور بیوی جنگل میں چھوڑ آیا۔ جب بیوی نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم ہمیں چھوڑ کر واپس جا رہے ہیں۔ تو حضرت ہاجرہ پکار کر پوچھتی ہیں کہ کیا ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ رہے ہو ——— ؟ وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے کہ جذبات محبت و شفقت غالب آ کر تعمیلِ حکم میں کمزوری نہ آ جائے۔ صرف یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کر رہا ہوں۔ حضرت ہاجرہ نے مطمئن ہو کر فرمایا :

اذاً لا یضیعنا۔　　　تب ہمیں اللہ ضائع نہ کرنے دے گا۔

آج اسی قربانی اور حضرت ہاجرہ کے ایمانی استقامت کا ثمرہ ہے۔ کہ بیت اللہ کی طرف رُخ کو نماز وعبادت کی صحت کا موقوف علیہ بنا دیا گیا ہے۔ اور اب تک دنیا میں کروڑوں نمازی فرائض، نوافل، اور سنن پڑھ رہے ہیں۔ اور جہاں بھی نماز پڑھی جائے خانہ کعبہ ہی کی طرف رُخ کیا جاتا ہے۔ وہی زمزم جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے جاری ہوا دنیا میں بھی پیا جاتا ہے۔ ۲۰ - ۲۵ لاکھ افراد کے رزق کا انتظام اس وادی غیر ذی زرع میں ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کا ثمرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا ظہور ہے۔ اور ہر نماز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر صلوٰۃ وسلام بھیجا جاتا ہے، اللہ پر اس اعتماد اور تعمیلِ حکم کا نتیجہ ہے۔ اور سب کچھ وہاں کے فیوض و برکات ہیں۔ کہ ہم ملّتِ ابراہیمی پر ہیں۔ اس وقت عورتوں کی ایمانی طاقت اتنی مضبوط تھی جس کا حضرت ہاجرہ نے ثبوت دیا ——— آج اگر مرد دین کا کچھ کرنا چاہے تو عورت اسے نہیں چھوڑتی۔ پہلے اگر ایک مرد یا عورت میں سے ایک دین میں کمزور ہوتا۔ تو دوسرا ایمان دار ہو کر اسے راہِ راست پر لاتے لگتا۔ مگر اب دونوں ایک دوسرے سے بد دینی میں آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک بادشاہ کی لڑکی کا قصہ سنایا تھا۔ کہ بادشاہ نے یہ چاہا کہ اپنی لڑکی کی شادی دیندار آدمی کے ساتھ ہو، دیندار آدمی تلاش کے بعد میسر ہوا مگر غریب و مفلس تھا۔ اس سے نکاح شاہزادی کا ہوا۔ رخصتی کے بعد غریب شوہر کے گھر شہزادی نے روٹی کا باسی ٹکڑا دیکھا۔ خاوند سے پوچھا کیا ہے۔ اس نے کہا افطاری کے لئے روٹی کا ٹکڑا رکھا ہے۔ بیوی ناراض ہو کر اس کے گھر سے جانے لگی۔ اس بیچارے نے کہا کہ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ ایک شہزادی فقیر کے گھر نہیں رہ سکے گی۔ مجھ سے غلطی ہوئی مگر تمہارے بادشاہ نے مجبور کیا تھا۔ لڑکی نے کہا

کہ نہیں میں آپ کی غربت و فقر کی وجہ سے نہیں جارہی بلکہ آئندہ کے لئے روٹی کا یہ ٹکڑا رکھنا توکل اور اعتماد علی اللہ کے خلاف ہے۔ ایک مومن کا بھروسہ تو صرف اللہ ہی پہ ہونا چاہیئے۔ اگر آئندہ اتنا بھی نہ رکھو تب یہاں رہوں گی ــــ

خلاصۂ بیان | الغرض آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمہارے ساتھ تمہارا نسب، دولت طاقت کوئی چیز جانے والی نہیں۔ سب کچھ یہاں رہنے والی چیزیں ہیں۔ ہاں اگر اچھا عقیدہ جمایا ہے، اچھے اخلاق پیدا کئے، اچھے اعمال کا ذخیرہ اکٹھا کیا وہ ساتھ ہوگا۔ معنوی اشیاء علم وجہل عقیدہ و بدعقیدگی اخلاق و بداخلاقی ساتھ ہوتی ہے۔ دل و دماغ روح اور قلب کی چیزیں کوئی نہیں چھین سکتا۔ اگر دنیا میں سب کچھ رسومات، معاشرہ، تمدن، لباس پوشاک طور طریقہ اسلامی رنگ میں نہیں بلکہ خلاف ہے۔ تو یہاں اگرچہ مسلمان کہلا سکتا ہے۔ مگر فرشتوں کو دھوکہ نہیں دے سکے گا۔ جب لباس و تمدن نصرانیوں کا اختیار کیا ہوگا تو ممکن ہے کہ فرشتہ اس سے کہے کہ تم نصرانی ہو۔ کوئی اور کہے گا کہ جب اس کی زندگی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہج اور طریقہ پر نہ تھی تو کیا یہ حضورؐ کو اپنا پیشوا کہہ سکے گا۔ بلکہ کہے گا کہ میرے تو کئی پیشوا تھے۔ کس کے بارہ میں پوچھتے ہو ــــ غرض انسان کو جو بڑی قابلیت، طاقت، خلافت اور امانت کی نعمتیں دی ہیں۔ اسے فانی پر ضائع نہیں کرنا چاہیئے اللہ کا قرب اللہ کی رضا باقی چیز ہے۔ اسے حاصل کریں۔ جو اچھے اخلاق اچھے عقائد اچھے اعمال ہیں جو براہ راست اللہ تعالیٰ کو پہنچتے ہیں۔ کل شیٔ ھالك الا وجھہ۔ اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ جو کام اللہ کی رضا کے لئے اور خالصۃً لوجہ اللہ کئے جائیں وہ فانی اور ہلاک نہ ہوں گے۔ اللہ جل جلالہٗ اپنی خوشنودی نصیب فرمادے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ ٭

اختلافِ صحابہؓ میں سکوت | مشہور تابعی امام ابراہیم بن یزید النخعیؒ ۹۶ھ صحابۂ کرام کے اختلافات پر تنقید، اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی کی جنبہ داری ناپسند کرتے تھے اور ان مسائل میں سکوت سے کام لیتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد نے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے اختلاف کے بارہ میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا نہ میں سبائی ہوں اور نہ مرجی۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے۔ آپ نے فرمایا اگر علیؓ تمہارا خیال سنتے تو تم کو سزا دیتے اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو۔ فرماتے تھے کہ مجھ کو حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ سے زیادہ محبت ہے لیکن میں آسمان سے منہ کے بل گرنا پسند کرتا ہوں اور یہ گوارا نہیں ہے کہ عثمانؓ کیساتھ کسی قسم کا سوئے ظن رکھوں۔ (تابعین بحوالہ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۲)

حاکم اور رعایا کے فرائض

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ شیخ الادب دار العلوم دیوبند

موجودہ دور میں حاکم و محکوم، تابع و متبوع کے درمیان جو رسہ کشی اور کشیدگی پائی جاتی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ آپس میں بے اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خدمات کی انجام دہی میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ خلوص کا جذبہ یک لخت ختم ہو جاتا ہے۔ اور اقتدار و جاہ پسندی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اس کا صحیح دفعیہ ذیل کے مضمون میں نباض وقت حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم شیخ الادب والفقہ دار العلوم نے تشخیص فرمایا ہے۔ کہ حاکم اپنے مرتبہ کو اور محکوم اپنے فرائض کو سمجھے۔ مضمون اگرچہ پرانا ہے۔ لیکن اپنی افادیت کے لحاظ سے دور حاضر کے مطابق ہے۔

یہ ظاہر ہے۔ کہ کسی شخص کا تنہا کام کر لینا اس قدر زیادہ نہ تو عقل کا محتاج ہے۔ اور نہ قوت عاقلہ کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔ جس قدر وہ شخص محتاج ہے۔ جس کو خداوند عالم نے اپنے ہم جنسوں پر افسری کا شرف عطا فرمایا ہے۔ اور ماتحت افراد کی کثرت اور قلت ہی اسکی عقل کے ضعف و قوت کا معیار ہے۔

وہ شخص عقل کا زیادہ حاجتمند نہیں ہے۔ جو فقط اپنے نفس پر حکمران ہے لیکن اس شخص سے زیادہ عقل کی ضرورت اس شخص کو ہے۔ جس کو خداوند عالم نے بی بی بھی عطا فرمائی ہے۔ اور اسی طرح اس شخص سے زیادہ محتاج عقل وہ شخص ہے جس کے گھر میں صرف بی بی ہی نہیں بلکہ بال بچے بھی ہیں۔ اور اسی طرح اس سے بھی زیادہ عقل اس شخص کے لئے ضروری ہے۔ جس کے تعلقات صرف بی بی اور بال بچے ہی تک محدود نہیں بلکہ اس کے خویش و اقارب والدین بھی ہیں۔ اور اس سے زیادہ وہ شخص قوت عقلیہ کا حاجتمند ہے جس کے تعلقات

حکومت کے اس سے زیادہ ہیں - غرض یہ کہ ایک ناقابل رد مسلمہ ہے کہ جس شخص کے تعلقات زیادہ ہوں گے اور جس شخص کی افسری زیادہ ہو گی وہی عقل کا بھی زیادہ محتاج ہو گا۔ اور میں تو اس قید کو بھی بے فائدہ سمجھتا ہوں کہ اُس شخص کو عقل کی ضرورت زیادہ ہے جو اپنے ہمجنسوں پر افسری کرتا ہے اور ان سے کام لینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک تو اس شخص کے لئے بھی عقل کی ضرورت زیادہ ہے جس کے ماتحت اس کے ہم جنس انسان نہیں بلکہ جانور ہوں ——

اس مسلمہ سے یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ بادشاہ چونکہ مختلف اقوام، مختلف الخیال، متفرق والی جماعت کا افسر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو نسبتاً عقل کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور جوں جوں اس کی سلطنت کی وسعت فرض کرتے جاؤ گے۔ اس کے لئے ضرورت عقل بھی زیادہ ماننی ہو گی۔

وہ حاکم، وہ گورنر، وہ سلاطین خوش قسمت ہیں جن کو خدا نے نعمت حکومت کے ساتھ دولت عقل بھی عطا فرمائی۔ لیکن ان سے بھی زیادہ خوش قسمت وہ حکام وسلاطین ہیں۔ جن کے ماتحت متفق الخیال ہیں ایک دوسرے کے دشمن نہیں۔ حاکم تک جو کچھ پہنچتا ہے وہ گویا سب ہی کا کہا ہوتا ہے۔ نہ اس کو یہ فکر ہوتی ہے۔ کہ اس واقع میں تلمیح سے کام لیا گیا ہے۔ نہ یہ خیال دامنگیر ہوتا ہے کہ دوسری جماعتوں سے تو اس کے متعلق استمزاج کر لیا جاوے، ان تمام خیالوں سے یکسو ہو کر وہ صرف یہ سوچتا ہے۔ کہ اس خبر کے متعلق کیا کرے وہ اس کشمکش سے بہت دور ہوتا ہے۔ کہ اپنے ماتحت لوگوں کے فرد واحد یا کسی جماعت سے اس خبر کی تصدیق کرے - لیکن بدقسمت ہے وہ حاکم اور بدنصیب ہے وہ بادشاہ جس کے ماتحت لوگوں میں تفرقہ ہو، ان میں پارٹی بندیاں ہوں، ایک جماعت اپنے مقابل کو زک دینے کی فکر میں ہو، ان جماعتوں کے لیل ونہار انہی تدابیر میں گذرتے ہیں۔ کہ جائز ناجائز تدابیر کے ذریعہ سے حاکم کو دوسری جماعت سے بدظن کر دیا جائے۔

حکام واقعات سے اکثر بے خبر ہوتے ہیں۔ ان تک جو خبر بھی پہنچتی ہے۔ اپنے ماتحتوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہے۔ لیکن ان کی خود غرضیاں ہر واقعہ کو ایسے رنگ میں پہنچانا چاہتی ہیں۔ کہ جس سے مخالف جماعت ذلیل ہو اور حاکم کی نظروں میں ہماری وقعت ہو اور سب پہ ہمارا ہی اقتدار ہو —— ایسی صورت میں اگر حاکم عقل سے خارج اور نور بصیرت

سے محروم ہوتا ہے تو کسی ایک پارٹی کے ہاتھ آجاتا ہے۔ اور ان کی خودغرضیوں کا شکار ہو کر دوسری جماعت پر بیجا بیجا ظلم کرتا ہے، ایک جماعت کو اپنا پورا خیر خواہ صادق کامل تمام صفات بشریہ سے متصف سمجھ کر دوسری جماعت کو اپنا دشمن کاذب، انسانی تمام عیوب کا مخزن سمجھتا ہے، اور اس باطل خیال کی وجہ سے جو ناجائز کارروائیاں کر گذرتا ہے۔ ان کی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے ——— لیکن جو حکام عقل کے دشمن نہیں اور خداوند عالم کی دی ہوئی شمع بصیرت سے کام لیتے ہیں وہ کسی ایک پارٹی کے قبضہ میں اپنے آپ کو نہیں سونپتے ہیں۔ جو واقعہ ان کے پاس پہنچتا ہے۔ اس میں خود اپنے غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔ اور کوئی خبر کیسی ہی راستی کے لباس میں ان کے پاس پہنچائی جاوے مگر وہ اس کو قابل تحقیق ہی سمجھتے ہیں۔ اور جب تک ان کی ذاتی تحقیقات ان کو خاص نتیجہ تک نہ پہنچا دے وہ کوئی فیصلہ کن حکم نہیں دیتے اور اپنے ماتحت ہر جماعت کی خودغرضی کو تاڑتے رہتے ہیں۔

حکام کی یہ دو قسمیں ہوئیں، ان میں سے جس کو چاہو اچھا کہو اور جس کو چاہو بُرا۔ مگر فی الحقیقت ہمارے نزدیک اس حاکم کی حالت زیادہ قابلِ رحم ہے جس کے ماتحت تو مختلف الخیال ہوں۔ لیکن وہ بھی متلون المزاج ہو جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ وہ کسی جماعت کے ساتھ نہ ہو بلکہ جبکہ ایک جماعت اپنی حیلہ پردازیوں میں کامیاب ہو جائے تو وہ اس کے قبضہ میں ہو کر دوسروں کی بات بالکل بھی نہ سنے اور جب دوسری جماعت ان تک کوشش کر کے اس کو اپنا طرفدار بنائے تو اس کا تلون یہ یاد بھی نہ آنے دے کہ کسی وقت فلاں جماعت کے ساتھ ہمارا تعلق کیا تھا، ایک وقت اس کے ظالمانہ احکام ایک جماعت کا سر کچلتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں تو دوسرے وقت دیکھنے والے دیکھ لیتے ہیں۔ کہ گذشتہ مظالم سے زیادہ مظالم وہ اپنے ہاتھوں سے ان لوگوں پر توڑتا ہے جس کو یہ کسی زمانہ میں سر آنکھوں پہ بٹھاتا تھا۔ اور اس کی زبان حاکم کی زبان سمجھی جاتی تھی۔

مؤخر الذکر قسم کے حکام یہی نہیں کہ سب سے زیادہ مظالم کر گذرتے ہیں۔ بلکہ ان کا تلون ہر ایک جماعت کے نزدیک مسلم ہو جاتا ہے۔ جس جماعت سے وہ اظہار خصوصیت کرتا ہے۔ وہی جماعت اس کو اپنے دل میں بُرا سمجھتی ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں کہتی ہیں۔ کہ جو خصوصیت آج ہم سے ظاہر کی جارہی ہے۔ وہی کل اس مظلوم جماعت سے ظاہر کی جاتی تھی وہ اپنے ماتحتوں میں سے کسی سے کوئی راز کہتا ہے مگر وہ ماتحت ہی خود اس کی

راز داری کا اعتبار نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ جو سلوک آج دوسری جماعتوں کے ساتھ اس کی طرف سے ہو رہا ہے وہی کل کو ہمارے ساتھ ہوگا۔

اس قسم کا شخص یہی نہیں کہ رات دن گرفتار مصائب اور مبتلائے آلام رہتا ہے۔ بلکہ اپنے ماتحتوں کی نظروں میں بھی اس لئے حقیر رہتا ہے کہ اس کا تلون ہر ایک کی نظر میں کھٹکتا ہے، وہ ہر شخص کو اپنا بنانا چاہتا ہے۔ لیکن لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔ یہ شخص اکثر غلط کاری میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور بالکل اس گیند کی طرح ہوتا ہے، جو کسی مسطح چیز پر رکھی ہوئی ہو کہ وہ مسطح چیز جدھر کو جھکتی ہے۔ ادھر ہی کو یہ بھی جھک جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کسی کارخانہ کا مینجر، کسی ریاست کا مدار المہام، کسی صوبہ کا گورنر، کسی ملک کا گورنر متلون المزاج ہوتا ہے۔ تو وہ کارخانہ، ریاست، صوبہ اور ملک جلد از جلد تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور جبکہ ایسے متلون المزاج کے ماتحت ایک ایسا فریق ہو کہ طرح طرح کے عیوب و جرائم کا ارتکاب کرنے کے بعد بھی اپنی ہوشیاری اور چالاکی کی وجہ سے حاکم کو اپنے سے بدظن نہ ہونے دے اور اس قسم کے ذرائع پیدا کرے کہ باوجود ارتکاب جرائم کے اس پر کوئی آنچ نہ آوے تب تو جو کچھ اندھا دھند ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ——

مذکورہ بالا قسم کے حکام اکثر ہوتے ہیں کہ وہ فریقین میں سے ہر ایک کی بات سننا اپنا فریضۂ دانشمندی سمجھتے ہیں۔ اور اگرچہ ان کے دل میں شکایت کرنے والوں کی طرف سے بھی رنج ہو مگر ان کے سامنے ان سے اظہار مسرّت بھی کرتے ہیں اور اس سے غرض ان کی یہی نہیں ہوتی ہے کہ ہر شخص کے پورے خیالات و حالات سے واقف ہو جاویں۔ بلکہ غلط فہمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ اس کو بھی حزم و احتیاط اور عقل و دانش کا مقتضا سمجھتے ہیں کہ ہر شخص کے سامنے اس کے مخالف کی نسبت ایسے کلمات کہہ دیں جن سے اس کو یہ خیال ہو جاوے کہ یہ افسر فلاں شخص سے خوش نہیں تاکہ اس کے متعلق اس کو جو کچھ بھی کہنا ہو صاف صاف کہہ دے اور فی الحقیقت یہ پالیسی کچھ دنوں مفید ثابت ہوتی ہے۔ اور تھوڑے بہت حالات سے واقف ہو جاتا ہے، لیکن اس بیہودہ طرز عمل سے سب سے بڑا اور ناقابل تلافی نقصان جو اس کو پہنچ جاتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہی دنوں کے بعد ماتحت بھی اس کو سمجھ جاتے ہیں۔ کہ حاکم کا طرز عمل منافقانہ ہے۔ اور نہ اس کی خوشی کا اعتبار نہ رنج کا۔ مآل کار یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ کسی ماتحت کی کسی خدمت پر اظہار مسرّت کرتا ہے تو ماتحت کا یہ

خیال اس کے خیالات خدمت میں ترقی نہیں دیتا کہ حاکم کی یہ مسرت مصنوعی مسرت ہوگی، یہ ہر شخص سے یہی کہتا ہے۔ جو آج ہم سے کہا اور اگر کسی ماتحت کے کسی فعل پر اظہار ناراضگی کرتا ہے، تو دوسروں کے لئے وہ تنبیہہ موجب اثر نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس کے تلون سے واقف ہو چکے ہیں ــــــ پس جب ماتحتوں کا اعتماد حاکم سے اس طرح اٹھ جائے تو اس کے ماننے میں کیا دشواری ہے کہ یہ کام جلد از جلد خراب ہونے والا ہے۔

یہ متلون مزاج حاکم ہر شخص کے منہ پر اس کی سی کہہ دینے والا افسر، ہر ایک سے شکایات اور نمائم سن کر اپنے آپ کو فیصلہ کرنے اور حق و باطل میں تمیز کرنے پر قادر سمجھنے والا جج، شکایتوں کو سن کر ان کے ازالہ کی فکر میں ہو کر بالکل اس طبیب کے مشابہ ہوتا ہے۔ جو مرض کا ازالہ اس طرح کرے کہ مرض کے اسباب زائل نہ ہوں اور مرض زائل ہو جاوے۔

کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس طبیب نے ازالہ مرض میں کامیابی حاصل کی جس نے صرف مرض کے آثار و علامات کو زائل کیا مگر اسباب مرض زائل نہ ہو سکے، اسی طرح جس بادشاہ یا گورنر نے ان شکایات کا دروازہ ہی بند کر دیا تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی عقل نے اس کا ساتھ دیا ــــ

اگر ناممکن نہیں تو یہ صورت مستبعد یقیناً ہے۔ کہ کسی حاکم کی ماتحتی میں چند افراد ہوں اور سب کے سب ایسے متحد الخیال اور متفق الاغراض ہوں کہ کسی کو دوسرے سے چشمک نہ ہو، ہر ایک دوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور نقصان کو اپنا نقصان سمجھے اس لئے ہر حاکم اکثر بلکہ ہمیشہ ان افراد ہی پر حکمراں ہوتا ہے۔ جو خود غرضی کی وجہ سے ایک دوسرے کے درپے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ حاکم واقعہ سے اکثر بے خبر ہوتا ہے اس لئے اس کے سامنے واقعات ہمیشہ "بنا خوب تر صورتے شرح داد" کا اعادہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ روزمرہ کی شکایات سنتے سنتے حاکم ہر ایک کو ناقابل اعتماد سمجھ لیتا ہے۔ اس لئے وہ ہر شخص کی بدنظمی کی وجہ سے ہر ایک کی نظر میں خود ذلیل اور ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے ــــ

زمانہ ماضی کے حکمرانوں پر نظر ڈالو ان کے حالات قصہ کے طور پر نہیں بلکہ استفادہ کے طور پر مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا۔ کہ حکمران جماعتیں ان مہلک امراض کا علاج کیسا سہل اور مفید تر کر لیا کرتی تھیں۔ سلطان نور الدین رحمۃ اللہ جس کے متعلق ہم اس سے قبل بھی کچھ لکھ چکے ہیں۔ علم دوست اور متبع شریعت سلطان تھا، علماء اسلام اور فقہائے امت کی تعظیم و تکریم

اس قدر کرتا تھا کہ شاید آجکل سعید سے سعید اولاد اپنے باپ کی اور صالح سے صالح شاگرد استاد کی اس قدر نہ کر سکتا ہو اگرچہ اس کا رعب وجلالت قدر اور عظمت شان بڑے بڑے گورنروں کا پتہ پانی کرنے کو کافی تھا۔ لیکن علماء اور صلحاء امت جن کے پاس علم دین کی سطوت کے سوا کوئی دوسری سطوت نہ تھی۔ اس کے پاس اس بے تکلفی سے آکر بیٹھتے تھے۔ گویا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ ان علماء اور صلحاء پر نہ خوف ہوتا تھا نہ ہراس، وہ سلطان نورالدین رحمۃ اللہ کی فقط اسی قدر تکریم کرتے تھے جس کا امر ان کو خداوندی مقدس کتاب نے کیا تھا۔ لیکن سلطان کی یہ حالت تھی کہ کتنے ہی فاصلے سے کسی ذی علم کو آتا دیکھتا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو جاتا تھا، ناممکن تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے کسی عالم کو آتا ہوا دیکھے اور کھڑا نہ ہو جاوے، اور جب وہ اس کے پاس پہنچ جاتا تو وہ اس سے معانقہ کرتا، اور ساتھ ہی اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ممالک بعیدہ کے علماء اس کے یہاں جمع ہو گئے تھے، علماء امت کی یہ توقیر امراء سلطنت کو کسی طرح پسند نہ آتی تھی، وہ کہتے تھے کہ صعوبات سلطنت میں تو ہم لوگ مال تو بجائے خود جان سے بھی دریغ نہ کریں، مصالح سلطنت کے مشوروں میں اپنا عیش و آرام ہم حرام کر دیں۔ لیکن یہ باتیں بنانے والے علماء ہم سے زیادہ عزت کے ساتھ بسر کریں جن کو ان سے زیادہ کچھ نہیں آتا فلاں مسئلے کا یہ حکم فلاں کتاب میں لکھا ہے، اور یہ ناجائز اور وہ جائز ——

بناء علیہ امراء ان علماء امت کے عیوب سلطان سے بیان کرتے تھے اور اپنے کہے ہوئے کے اثبات کے لئے تیار ہوتے تھے، سلطان کی طرف سے فقط یہ جملہ جواب میں ہوتا تھا کہ ومن المعصوم۔ وانما الکامل من تعد ذنوبہ۔ اس مختصر سے جملے کا مطلب یہ ہے۔ کہ دنیا میں ایسا شخص تو کوئی بھی نہیں جس سے کوئی گناہ صادر ہی نہ ہوتا ہو، دنیا میں چونکہ گناہگار بکثرت ہیں۔ اس لئے سب سے اچھا وہ شخص ہے جس کے گناہ قابل شمار ہوں کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے گناہ فقط اسی قدر ہیں اس سے زیادہ گناہ نہیں ہیں ——

سلطان کا یہ جملہ حاکم اور محکوم دونوں کے لئے نصیحت سے بھرا ہوا ہے۔ حاکم کے لئے تو اس طرح کہ اگر وہ کسی کی ایک آدھ خطا پر گرفت نہ کرنی چاہیئے کیونکہ ہر شخص خطا کار ہے۔ ضرورت ہو تو مناسب فہمائش کر دے اور محکوم کے لئے اس طرح کہ جب ہر شخص میں کچھ نہ کچھ

عیوب ہوتے ہی ہیں تو پھر شکایت فعل عبث ہے ۔ خود اپنے عیوب سے بھی غافل نہ رہنا چاہئے ـــــ اسی سلسلہ میں وہ واقعہ بھی بغور سننے کے قابل ہے ۔ کہ جس کو ابن تاثیر نے بیان کیا ہے :

علماء بلاد اور فقہاء امصار سلطان نور الدین کے زیر سایہ اس لئے آباد ہو گئے تھے ۔ کہ وہ نہ صرف ان کے علم کا قدر داں تھا بلکہ اس کی سلطنت میں ان کو ہر طرف سے آسائش و آرام حاصل تھا اور سلطان ان کی وہ تعظیم کرتا تھا جو دوسرے حکمران نہ کر سکتے تھے ۔

علامہ قطب الدین نیشاپوری کو ان سب سے ایک درجہ کا امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ یہ خراسان سے سلطان کی طلب پر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئے تھے ، اس لئے سلطان ان کی عزّت زیادہ کرتا تھا ـــــ

اراکین سلطنت کو ہر ایک عالم کی زیادت تعظیم پر حسد ہونا فطری امر تھا ۔ لیکن سلطان کے ایک خاص مقرب امیر کو علامہ قطب الدین خراسانی کی حد سے زیادہ تعظیم بہت شاق گذری ۔

ایک روز جبکہ سلطان امیر مذکور سے بہت زیادہ خوش تھا ۔ اس نے موقع پا کر علامہ ممدوح کا تذکرہ شروع کر دیا ، اور اس تذکرہ میں علامہ کی وہ قوی شکایتیں بھی کر گذرا جن کی نسبت اس کا خیال تھا کہ یہ امور سلطان کو یقیناً ناپسند ہوں گے ۔

سلطان نے اوّل سے آخر تک اس کی بات کو سنا اور جب اس کا دل سب کچھ کہہ کر ٹھنڈا ہو گیا اور سلطان کی اس توجہ سے سمجھ گیا کہ اگر علامہ خراسانی آج ہی خراسان کو واپس نہ کر دیئے گئے تو کم از کم وہ عظمت تو یقیناً نہ رہے گی جو ان کو نصیب تھی ۔ اس وقت سلطان نے یہ مختصر سا جواب دیکر اس قسم کی شکایتوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا :

یا ھذا ان کان ما تقول حقا فلہ	خدا کے بندے ! تم نے جو کچھ مجھ سے
حسنۃ تغفر کل زلۃ تذکرھا	اس وقت بیان کیا ہے ۔ اگر اس کو
وھی العلم والدین واما انت و	علی سبیل الفرض صحیح مان لیا جائے تب
اصحابک ففیکم اضعاف	بھی علامہ قطب الدین میں ایک خوبی ایسی
ما ذکرت ولیست لکم حسنۃ	موجود ہے ۔ جو ان تمام عیوب کو نسیا منسیا
تغفرھا ولو عقلت لشغلک	کر دینے کے لئے کافی ہے ۔ جن کو تم اس
عیبکم عن غیرک وانا احتمل	وقت اچھال رہے ہو ۔ (یعنی علم اور دیانتداری)

سیئاتکم مع عدم حسناتکم افلا احتمل سیئة هذا ان صحت مع وجود حسنة علی انني والله لا اصدقك فيما تقول وان اعدت ذکرته او غیره لبسوء لاؤ ذینك۔

باقی رہے تم اور تمہارے ساتھی ان کا حال یہ ہے کہ جس قدر برائیاں تم علامہ ممدوح کی کر رہے ہو ان سے بدرجہا زیادہ تم میں ہیں۔ اور تم میں ایک خوبی ایسی نہیں جو ان تمام برائیوں کا مقابلہ کر سکے اور اگر خدا تمکو عقل دیتا تو تم خود اپنے عیوب کی اصلاح میں مصروف رہتے۔ اور دوسروں کی عیب جوئی میں مبتلا نہ ہوتے، تم لوگوں میں کسی قسم کی خوبی نہ ہونے کے باوجود میں تم لوگوں کی برائیوں کو برداشت کرتا ہوں تو اگر علامہ ممدوح میں وہ عیوب مان بھی لئے جاویں جن کو تم بیان کرتے ہو تو کیا یہ عیوب اس نیکی کے ہوتے ہوئے بھی قابلِ تحمل نہیں، علاوہ ازیں ایک صاف بات یہ ہے۔ کہ میں تمہاری ان باتوں کو سچا بھی نہیں سمجھتا ہوں، اور اگر تم نے آئندہ سے ان کا یا ان کے سوا کسی اور کا برائی کے ساتھ ذکر کیا تو میں تم سے اس کی سخت بازپرس کروں گا۔

اس مختصر واقعہ کو نقل کرکے ابن اثیر نے جن مختصر مگر جامع الفاظ میں سلطان کی داد دی ہے۔ وہ بھی قابلِ گذارش ہے:

هذا والله هو الاحسان والفعل الذي ينبغي ان يكتب علی العيون بماء الذهب۔

خدا کی قسم یہی وہ عمدہ طریقے ہیں جن کو اپنی آنکھوں پر سونے کے پانی سے لکھ کر دستور العمل بنانا چاہیئے۔ کیا اب بھی کوئی خیال کر سکتا ہے۔ کہ سلطان کی اس قدر سرزنش اور صاف گوئی کے بعد بھی کسی میں یہ ہمت باقی رہتی ہوگی کہ وہ کسی کی برائی سلطان کے سامنے کر سکتے۔

ہماری اس گذارش پر اگر یہ خلجان ہوگا کہ سلطان شکایتوں کے سننے سے اسی طرح احتراز کرے جیساکہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے تو رعایا کے عیوب سلطان کو کس طرح معلوم ہو سکیں گے اور ان کے ازالہ کی کیا تدبیر ہو سکے گی، لیکن یہ مطلب نہ تو ہمارا ہے۔ اور نہ اس واقعہ سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیئے بلکہ یہ روک تھام تو ان وقائع کے متعلق ہے جن کے متعلق حقیقی کی عطا کی ہوئی فراست اس امر کا پتہ دے کہ حساد کے حسد نے یہاں تک پہنچا دیا ہے، لیکن جو واقعات مظلوموں کے ذریعہ سے پہنچیں ان پر فوری توجہ کرنا سلطان کا اوّلین فرض ہے ——— چنانچہ

(باقی صفحہ ۲۵ پر)

——— سلطان نور الدین کی یہ توجیہ اس واقعہ سے بخوبی معلوم ہو سکے گی جو ہم نے اسد الدین شیر کوہ کے متعلق بیان کیا ہے ——— ہماری اس گذارش کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر اس کے طرز عمل سے یہ ثابت ہو گا کہ وہ کانوں کا کچا اور متلون مزاج ہے اور اگرچہ اس کے یہاں کوئی کیسا ہی مقرب کیوں نہ ہو مگر شکایات اور بہتان کے ذریعہ سے اس کی توہین ممکن ہے۔ تو ہر گھڑی اس کے پاس مختلف صورتوں سے شکایتوں کا ہجوم رہے گا۔ اور بسا اوقات اس کو اس نتیجہ پہ پہنچنا مشکل ہو جاوے گا کہ ان شکایتوں کا اصلی سبب حسد ہے۔ اور ایسی حالت میں اگر وہ کوئی بیجا حکم صادر کر دے یا کسی بے جرم کی اہانت کر دے تو زیادہ بعید نہیں اس لئے ایسی تدبیر ہونی چاہیئے کہ نہ تو شکایتیں اس قدر کثرت سے اس کے پاس پہنچیں کہ اس کو خبیث اور طیب میں تمیز ہی دشوار ہو جاوے اور نہ کسی پہ اس قدر اعتماد کر لے کہ سیئات بھی حسنات سے بدل جاویں بلکہ اس کو توسط کا ایک ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس کی دونوں جانبیں برابر ہوں۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی بڑے کی نظر میں عزت حاصل کرتا ہے۔ تو اس کے حسّاد لازمی طور سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور تقرب تو بڑی چیز ہے کسی کو کوئی نعمت چھوٹی ہو یا بڑی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے حاسد ضرور ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے۔ کہ عرب کے ایک دانشمند کا قول ہے: لاخیر فیمن لیس یعرف حاسدہ۔ (وہ شخص تمام نعمتوں سے خالی ہے جس کے حاسد نہ ہوں) پس جبکہ ہر مرتبہ والے کے لئے حاسد ہونے ضرور ہیں تو جا بیجا شکایتیں ضرور ہیں۔ اس لئے ان شکایتوں کا سد باب تو اسی طرح ہونا چاہیئے جسطرح کہ سلطان نور الدین نے کیا۔ لیکن اگر وہ شکایتیں مظلوموں کی شکایتیں ہیں تو ان کے ازالہ کے لئے ہر ممکن سے ممکن تدبیر کو کام میں لانا چاہیئے ——— :

نذرِ عقیدت

یہ خبر یورپ کے ملک کی ہے۔ اُس ملک کا نام ڈنمارک ہے۔ اس ڈنمارک میں ایک خاتون کو بڑا اعزاز اور بڑا تمغہ دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس خاتون نے جسکی عمر پینتیس سال ہے، اس "قلیل" عرصے میں اب تک چودہ بچے پیدا کئے ہیں اور پندھواں عنقریب پیدا کرنے والی ہے ——— یہ اعزاز اسے اس لئے دیا گیا کہ ڈنمارک میں — یورپ کے اس مشہور ملک میں — زیادہ بچے پیدا کرنے کی تحریک چل رہی ہے۔ اور اس خاتون نے پینتیس سال کی عمر میں پندرہ بچے پیدا کر کے اپنے ملک کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ اس کے یہ بچے قوم کی طاقت بنیں گے اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے ———

یہ خبر پاکستان میں ہم اُن لوگوں کی نذر کرتے ہیں جو اس ملک میں کم بچے پیدا کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں۔

"حریت"

ہمارے اسلاف
اپنے کردار کے آئینہ میں

تلخیص و ترجمہ ــــ ادارہ الحق

کشمیر اپنے اسلامی ادوار میں

ماضی اور حال

مجلہ حضارۃ الاسلام دمشق سے ترجمہ شدہ

دمشق کے مجلہ حضارۃ الاسلام میں " ھکذا عاشت کشمیر فی عھودھا الاسلامیہ " کے عنوان سے استاذ ابوالوفا رکا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں کشمیر کے ایک مسلم حکمران کے دور عدل و خوشحالی کی تصویر پیش کی گئی ہے اور تصویر کے دوسرے رخ پر شاستری اور نہرو کے دور استبداد کی جھلک بھی دکھائی گئی ہے۔ اس مضمون کا اردو ترجمہ بشکریہ حضارۃ الاسلام پیش ہے ــــ "ادارہ"

سلطان زین العابدین بن سلطان اسکندر ۱۴۲۰ء میں تخت کشمیر پر متمکن ہوئے اس وقت ان کی عمر ۱۹ سال تھی۔ انہوں نے پچاس سال کشمیر پر حکومت کی اس پورے عرصہ میں کشمیری قوم نے عدل و انصاف کا وہ سنہری دور دیکھا جیسا کہ اسلام چاہتا تھا۔ انہوں نے مسلمان حکام کی اپنی قوم کے فلاح و بہبود ترقی و رفاہیت کی راہ میں زندگی قربان کرنے کی یاد تازہ کی۔ عہد سلطان میں کشمیر نے زندگی کے ہر شعبہ میں عظیم الشان ترقی کی جبر و فساد قتل اور جلاوطنی حق خود ارادیت کی پائمالی کا جو مظاہرہ نہرو اور شاستری نے بیسویں صدی کے دوران کیا ازمنہ وسطی کے سلطان زین العابدین کے اس عادلانہ دور سے اس جابرانہ دور کی کوئی نسبت قائم نہیں کی جاسکتی ــــ

صنعت و حرفت سلطان مرحوم نے صنعت و حرفت کیطرف توجہ دی۔ ایران، طوران، ترکستان اور ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے تجربہ کار ماہرین فن جمع کئے اور انہیں بہت بڑی مراعات اور امتیازات دیکر کشمیر میں ٹھہرایا جسکی وجہ سے کشمیر گھریلو دستکاری اور مختلف صنعتوں میں ایک مثالی علاقہ بن گیا اس کی قیمتی صنائع و اشیاء کی شہرت دنیا بھر میں

پھیلی دنیا کی نظریں اسکی طرف اٹھنے لگیں اور ملک نے عظیم اقتصادی ترقی اور فارغ البالی حاصل کی۔ بارود یہاں تیار ہونے لگا۔ آتشین اسلحہ اور کھیل کود آتشبازی کا سامان یہاں بننے لگا۔ جنگی سامان کی صنعت میں کشمیر نے اتنی ترقی کی کہ شاید توپ کا استعمال سب سے پہلے کشمیر میں ہوا اسی طرح سلطان علاؤالدین کے زمانہ میں بھی صنعت وحرفت نے یہاں تک عروج حاصل کیا کہ دنیا کی بہترین شالیں، غالیچے، دیدہ زیب مصلے اور دیگر اشیاء کشمیر ہی میں بننے لگیں۔ لکڑی کی تراش خراش اور کھدائی کرکے بہترین ظروف وسامان یہاں تیار ہونے لگا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اعلیٰ صنعتی اور فنی مہارت حاصل کرنے کے لئے دوسرے ممالک کو وفود بھیجے جاتے کہ وہاں کی صنعت وحرفت اور تعلیم میں کمال حاصل کرکے کشمیر کے مزید عروج و ترقی کا باعث بن سکیں۔ اسی طرح طبّی وفود کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جاتی۔ مریضوں کے علاج و آرام کے لئے بہترین ہسپتال ڈسپنسریاں اور شفاخانے کھولے گئے۔ کئی مؤرخین کی رائے ہے کہ دہلی و لکھنؤ کے ممتاز طبّی خاندان جن کی طبّی مہارت اور سچائی کا دنیا میں شہرہ ہوا وہ سب کشمیر سے آکر دہلی و لکھنؤ میں آباد ہوئے تھے۔ اور ان خاندانوں کے سلسلے کشمیر کے اس مسلمان بادشاہ کے سنہری دور سے ملتے ہیں۔

مؤرخ خواجہ عزام لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے سمرقند سے ممتاز خواتین ڈاکٹر اور نرسیں بھی طلب کیں۔ اور کشمیر میں "زچہ بچہ" کے مراکز کھولے گئے۔ بلاشبہ سلطان ان ترقیاتی اقدامات کی وجہ سے اس وقت کے اکثر ملوک وسلاطین سے سبقت لے گئے تھے۔ عوام کی فلاح وبہبود کے لئے بادشاہ کے انقلابی اقدامات سے ذخیرہ اندوزی گرانفروشی کا نام بھی نہ رہا۔ تجّار پر لازم تھا کہ تمام مالِ تجارت بازار میں لاکر ارزاں نرخوں پر فروخت کریں۔

علم وادب کی سرپرستی

صنعت وحرفت کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے علم وادب کی بھی سرپرستی کی اور کشمیری قوم اقتصادی اور معاشی ترقیات کے ساتھ ساتھ علم وادب کے زیور سے بھی آراستہ ہوئی۔ ہر طرف شعر وادب کا چرچا ہوا۔ سلطان خود بھی عالم اور ادیب تھا۔ انہوں نے عربی اور فارسی کے علاوہ سنسکرت میں بھی اعلیٰ قابلیت حاصل کی۔ مؤرخین بتلاتے ہیں کہ سلطان اُن چند ملوک وسلاطین میں سے تھا جنہیں شعر وادب کا اعلیٰ ذوق حاصل تھا۔ ان کا دربار شعراء وعلماء سے بھرا رہتا۔ اور شاید وہ پہلے بادشاہ ہیں جنہوں نے ایک شاعر کے لئے تخت بچھایا اور اسکو "ملک الشعراء" کا فصیح وبلیغ خطاب دیا۔ یہ شاعر "شیخ احمد الکشمیری" تھے۔

فوج اور فتوحات

سلطان زین العابدین کے تخت نشین ہونے کے وقت کشمیری افواج کی تعداد ایک لاکھ پیادہ اور ۳۰ ہزار سوار فوج پر مشتمل تھی۔ انہوں نے

انتھک جانفشانی اور کوششوں سے فوج کی از سر نو تنظیم کی۔ اور اس میں اطاعت اور جان نثاری کا روح پھونکا۔ یہاں تک کہ فوج بیرونی اور داخلی ہر طرح مداخلت کے لئے تیار ہوئی۔ اور کشمیری علاقہ کو مغربی تبت تک وسعت دیا گیا۔ اس علاقہ کی فتح کے دوران گوتم بدھ کا ایک سنہری بت ہاتھ لگا۔ قریب تھا کہ مجاہد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، سلطان نے اس بت کی تاریخی اور فنی قدر و قیمت کی وجہ سے اسے فوجیوں سے لیکر محفوظ رکھا۔

سلطان کی ڈپلومیسی اور خارجی تعلقات

ملک میں امن و امان قائم کرنے کے بعد سلطان نے ہمسایہ ممالک، اور خاص طور سے بڑی بڑی ریاستوں اور اہم حکومتوں کے ساتھ گہرے روابط و تعلقات استوار کئے۔ خراسان و ترکستان آذربائیجان اور سجستان کی حکومتوں کے لئے محبت سے بھرپور خطوط پیغامات اور بیش قیمت ہدایا دیکر سفرا بھیجے۔ اسی طرح سلطان محمد فاتح ترکی، شریف مکہ اور بادشاہ دہلی کے ساتھ بھی نامہ و پیام اور تحائف کا تبادلہ ہوا۔ اور دونوں طرف سے گرمجوشی کے مظاہرے ہوئے۔ سلطان نے ہمسایہ و دور دراز کے بادشاہ و سلاطین کے ساتھ خلوص و محبت کی جو پالیسی اختیار کی اگر ہم اتحاد و باہمی روابط کی اس پالیسی پہ چلتے تو آج مشرقِ اسلامی کی تاریخ کچھ اور ہوتی اور آج خارجہ پالیسی کی بنیادیں چند افراد اور برسر اقتدار طبقہ کی ذاتی ہوس و لالچ کے لئے شر و فساد اور جنگ و جدال کی بجائے علاقائی ترقیات کیلئے باہمی محبت و تعاون پر قائم ہوتیں ——— اس اسلامی بادشاہ نے دنیا کو پڑوسی ممالک کے ساتھ معاملات سلجھانے اور امن و اتحاد کی راہ پیدا کرنے کا سلیقہ سکھایا۔

تصویر کا دوسرا رُخ ——— "ہندؤں کا دور"

اس عظیم مسلمان حاکم کی زرّیں تاریخ کا جب کشمیر کے موجودہ مظالم قتل و قتال جلاوطنی نظر بندی آبادیوں کی تباہی و بربادی شہروں کی لوٹ مار سے ہم موازنہ کرتے ہیں۔ جن کا سامنا آج کشمیری مسلمانوں کو ہے۔ پھر جمہوریت اور حقوقِ انسانی کے نام نہرو اور شاستری کے بلند بانگ دعووں کو دیکھتے ہیں تو لازماً یہ ماننا پڑے گا۔ کہ قرونِ وسطیٰ کا وہ مسلمان عادل بادشاہ اقوام متحدہ کے اس دور کے مقابلہ میں حقوقِ انسانی آزادی اور جمہوریت کا زیادہ قدردان اور سمجھنے والا تھا۔ ایک طرف بیسویں صدی کے مہذب دور کے موجودہ کشمیر کا سیاہ رُخ ہے۔ دوسری طرف ازمنہ وسطیٰ کے ایک مسلمان حاکم کی یہ حالت کہ ہندوؤں کی تہذیب ان کے رسم و رواج کی حفاظت کے لئے خصوصی قوانین بنائے گئے تھے۔ کہ انہیں مذہب پر ہر طرح عمل کرنے کی آزادی ہو اور کہیں فرقہ وارانہ زیادتی نہ ہو سکے ———

تصویر کے دونوں رُخ دیکھ کر ہمیں کہنا پڑے گا کہ شاستری و نہرو کا یہ سیاہ دور تو ازمنۂ وسطیٰ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور ایک مسلمان عادل بادشاہ کا دورِ حکومت رعایا پروری جمہوریت اور حقوقِ انسانی کی پاسداری کے لحاظ سے بیسویں صدی کے شایانِ شان ہے کہ آج بین الاقوامی منشورِ حقوقِ انسانی اور حق خود ارادیت کی آوازیں ہر طرف سے اُٹھ رہی ہیں۔ مگر پروپیگنڈہ الگ چیز ہے۔ اور عملی نمونہ پیش کرنا الگ چیز ہے۔ ایک بے لاگ مبصر کشمیر میں ہندوؤں کے سیاہ دور کو تعصب، ضد، ہٹ دھرمی، ظلم و فساد اور حقوقِ انسانی کی جہالت کے دور سے تعبیر کرے گا۔ اور سلطان زین العابدینؒ کے دورِ حکومت کو انسانی تہذیب و تمدّن کی ترقی اور عروج کے نام سے یاد کرتا رہے گا۔

ہندو رعایا سے سلطان کی رواداری کا یہ عالم تھا۔ کہ انہوں نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ مسلمان ہندوؤں کے سامنے گائے ذبح کریں۔ (جس سے ان کی دلآزاری ہو۔) سلطان کی اس رواداری اور رعایت کا ہندوؤں پر یہ اثر ہوا۔ کہ ان کے مذہبی پنڈتوں نے بھی مذہبی رسم و رواج کے سلسلہ میں اپنی مذہبی کتابوں کی حدود سے تجاوز نہ کرنے کا عہد کیا اور اسطرح اس سنہری اسلامی دور میں کشمیر کے ہندو اور مسلمان دوش بدوش امن و امان عیش و راحت کے سایہ میں رہنے لگے۔ اگر کوئی باہمی جھگڑا پیدا ہو جاتا۔ تو سلطان ایک مجلس کے ذریعہ جسمیں فریقین کے نمائندے ہوتے اس جھگڑے کو نمٹاتے امن و محبت کے طریقوں پر باہمی صلح و صفائی ہو جاتی ـــــ

کاش! مسٹر شاستری اس کشمیری مسلمان بادشاہ کے حالات پڑھ کر اپنی ظالمانہ پالیسی پر نظر ثانی کر لیتے اور سمجھ جاتے کہ جس کشمیر نے امن و راحت کا ایسا دور اور ترقی و عروج کی ایسی تہذیب کو دیکھا اس کشمیر کے غیور باشندوں کو قہر و ظلم کے ظالمانہ ہتھکنڈوں سے مغلوب نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسکی حساس رعایا سے انکی تاریخ بھلائی جا سکتی ہے۔ اور نہ اس قوم کے اعلیٰ موروثی نشانات کو مٹایا جا سکتا ہے۔ کاش! شاستری پر یہ حقیقت واضح ہو کہ استبداد و سامراج کبھی بھی اس قوم کو نہیں دبا سکی جو اپنی آزادی استقلال و کرامت کے لئے ایک بار اُٹھ کھڑی ہو۔

سلطان کی دیگر اصلاحات

سلطان نے عدل و انصاف اور انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے خاص قوانین بنائے اور تانبے پیتل کی تختیوں پر کھدوا کر بازاروں اور شاہراہوں پر انہیں لٹکایا۔ تاکہ رعیّت اس سے باخبر رہے۔ اور قانون کا دائرہ عوام و خواص سب پر لاگو کر دیا ـــــ یہاں تک کہ بادشاہ کی اولاد، جگری دوست اور وزراء تک بھی قانون کی زد سے نہ بچ سکتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایک وزیر اور ایک رضائی بھائی تک

کو قتل کے جرم میں موت کی سزا دی۔ انہوں نے عوام پر جائز مقررہ لگان اور مالیہ سے زیادہ ٹیکس اور محصول لگانے پر سخت پابندی لگائی۔ دوسری طرف جیل خانوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں دستکاری رائج کی۔ اور قیدیوں کو اذیت ناک سزائیں دینا بند کر دیں۔ سڑکوں اور راستوں کے بنانے میں انہیں مشغول رکھنے کا آغاز انہوں نے کیا۔

سلطان مرحوم ملک کے کاشتکار طبقہ کو بھی بھولے نہیں۔ اور ان کی رفاہیت خوشحالی اور زندگی کے حقوق سے نفع مند ہونے کے لئے کئی اسکیمیں بنائیں۔ سلطان نہروں کی کھدائی اور آبپاشی کے ذرائع کی خود نگرانی کرتے۔ اور ان کے زمانہ میں غریب دیہاتی جاگیرداروں اور حکام کی دست درازیوں سے محفوظ تھے۔ ایک مستقل قانون کے ذریعہ آفیسروں اور حکام کو غریب عوام کے تحفے تحائف قبول کرنے سے روک دیا گیا عوام کی بھلائی و ترقی سے شغف و انہماک کا یہ عالم تھا کہ ہر ماہ وہ الگ بیانات جاری کرتے۔ جس میں مختلف ضروری اشیاء کے نرخوں تک کو خود مقرر کرتے۔ سلطان کے دور میں مختلف اجتماعی سیاسی دفاعی اور تعلیمی ترقیاتی سکیموں اور اصلاحی اقدامات کی وجہ سے حکومت کی مالی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ اور زیادہ سے زیادہ مالی ذرائع مہیا کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ سلطان نے اس کے لئے صنعت وحرفت گھریلو دستکاری کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کی۔ ملکی برآمد میں اضافہ کیا اسی طرح معادن اور کیمیائی کانوں سے انہیں بڑی مدد ملی۔ کوششوں سے تانبے لوہے اور سونے کی کانیں دریافت کی گئیں۔ جس سے ملکی ترقی کی ضروریات پوری ہونے لگیں۔ اور ملک ایک عام خوشحال فارغ البالی اور عوام کی رفاہیت وفلاح کے راستے پر گامزن ہوا۔

کشمیر اسی طرح عرصہ تک ایک مستقل خوددار، خوشحالی اور امن واتحاد کا علمبردار ملک بنا رہا۔ اور اپنے اسلامی دور میں ترقی کی طرف برابر بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ شومئی قسمت سے اسے ہندو اقتدار و تسلط کی وجہ سے سیاہ بادلوں نے گھیر لیا۔ اور جیتا جاگتا کشمیر ذلت اور خواری کے گھڑے میں پھنس گیا۔

اگلی فرصت میں ہم اس سیاہ دور کی تصویر پیش کریں گے جس کا سامنا نہرو اور شاستری کے دور میں کشمیری مسلمانوں کو تلوار نیزوں بندوق اور مشین گنوں کی صورت میں کرنا پڑ رہا ہے۔ ٭

نادر تحریر کی دریافت

روسی محکمۂ آثارِ قدیمہ کو ترکائینیہ میں کھدائی کے دوران پتوں پر لکھی ہوئی بدھ مت کی ایک نادر تحریر ملی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ تحریر پانچویں صدی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس پر معذوروں سے متعلق بدھ مت کے احکام درج ہیں۔ تمام دنیا میں اپنی نوعیت کی یہ واحد قدیم تحریر ہے ٭ (روزنامہ جنگ ۲۳ر نومبر ۱۹۶۵ء)

علم وفضل کی دنیا

کرسی نہیں تو پانی کا مٹکا

مولانا سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ

ریاستہائے متحدہ آگرہ واودھ کے انگریز گورنر نے حضرت شیخ فضل الرحمان گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضری کی خواہش ظاہر کی۔ اس ارادہ کی اطلاع پھیلتے پھیلتے حضرت کے قصبہ گنج مرادآباد پہنچی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ۵۷ء کی تحریکِ آزادی کو سختی سے کچلا گیا تھا۔ اور انگریز کے دبدبہ اور ہیبت سے رعایا ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی۔ ایسے وقت میں ایک انگریز گورنر کی آمد کی خبر سے گنج مرادآباد میں ہلچل مچ جانا لازمی بات تھی۔ گاؤں کی پوری آبادی گورنر کے استقبال وغیرہ کی تیاریوں میں لگ گئی ادھر مریدوں کو یہ فکر دامنگیر ہوا کہ خانقاہ شیخ میں نہ تو کوئی کرسی ہے نہ ڈیسک جبکہ گورنر اسکے بغیر بیٹھ نہیں سکے گا۔ شیخ جو ابھی تک اس ہنگامہ سے بے خبر یادِ الٰہی میں محو تھے اس تگ و دو کی وجہ دریافت فرمانے لگے۔ جواب میں کہا گیا کہ ولایات متحدہ کے گورنر حضرت سے ملنے آرہے ہیں اور یہاں اسکے شایان ایک کرسی تک نہیں۔ شیخ نے اس خبر کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے لوگوں کے اس اہتمام اور دوڑ دھوپ پر سخت ناگواری ظاہر کی۔ اب شیخ نے چاہا کہ ان کو اربابِ دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ایک ناقابلِ فراموش درس دیں اور انہیں یہ بتلادیں کہ اہلِ دین کی نظروں میں دنیاوی اقتدار اور شوکت وسطوت ہیچ ہے۔ اور ایک مومن کا دل کبھی ان فانی عظمتوں سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔

شیخ نے اچانک خدام سے دریافت فرمایا کیا یہاں خانقاہ میں پانی کا مٹکا نہیں ۔۔؟ جواب ملا کہ ہاں موجود ہے۔ تو فرمایا کہ اسے میرے نزدیک الٹا رکھ دیجئے تاکہ گورنر آکر اس پر بیٹھ سکے۔ خدام حیرت سے خاموش رہے۔ جب گورنر آئے تو محبوب حقیقی کی عظمتوں میں مستغرق شیخ نے پوری بے نیازی سے گورنر کو مٹکے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مگر گورنر آخر تک کھڑے رہے۔ شیخ نے عام لوگوں کی طرح دیر تک اس سے باتیں کیں۔ کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہ ہوسکا۔ کہ وہ کسی ذی جاہ اور صاحبِ اقتدار حاکم سے باتیں کررہے ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ نے گورنر کی حکومت پر تنقید کی اور کہا کہ رشوت ستانی اور ظلم تمہاری حکومت میں عام ہوگیا ہے۔ گورنر کے ساتھ اسکی بیوی بھی آئی تھی جو قریب بیٹھی تھی۔ حضرت شیخ نے اُس طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ تم لوگوں میں شرم اور حیا کی کمی ہے۔ گورنر آخر تک سر جھکائے خاموش کھڑے رہے۔ ٭

جناب مولانا حکیم محمود احمد ظفر صاحب سیالکوٹی

اسلام کا تصوّرِ نبوّت

قسط ۲

اب جس طرح ہماری مادی زندگی میں غلّہ مہیا کرنے والا کاشتکار، ہمارے لئے کپڑا بننے والا جولاہا، زیور بنانے والا سنار، ہمارے بیٹھنے کے لئے کرسیاں اور میز بنانے والا بڑھئی، ہماری جسمانی بیماریوں کا علاج کرنے والا طبیب اور اس مادی کائنات سے اسرار کی نقاب کشائی کر کے ان اشیاء سے باخبر کرنے والا حکیم کہلاتا ہے۔ اسی طرح ہماری روحانی زندگی کی جملہ ضروریات فراہم کرنے والا اور وحی ربّانی سے فیض پاکر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرنے والا اور حیاتِ روحانی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے کا نام اصطلاح شریعت میں نبی اور رسول ہوتا ہے۔

ضرورتِ نبوّت

جب نبی کی تعریف (DEFINATION) سے پتہ چل گیا کہ ہماری روحانی زندگی کی جملہ ضروریات کو فراہم کرنے والے کا نام نبی ہوتا ہے۔ تو اس سے نبوّت کی ضرورت کا بھی علم ہوگیا، کیونکہ جس طرح اس دنیا میں لاتعداد جسمانی امراض ہیں۔ کچھ جگر سے متعلق ہیں، اور کچھ طحال و معدہ سے، اسی طرح اس دنیا کا قریباً ہر انسان روحانی طور پر مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بخار اور دیگر جسمانی امراض کی اس قدر کثرت نہیں جس قدر روحانی علل و امراض کی کثرت ہے۔ تو پھر بھی کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔

پھر جس طرح جسمانی امراض بخار، طاعون، ٹائیفائڈ اور اسہال وغیرہ کے ازالہ کے لئے ڈاکٹر اور طبیب کی اشد ضرورت ہے۔ اور کوئی آدمی اس ضرورت کا انکار نہیں کرسکتا اسی طرح بغض و کینہ، ظلم و تعدی، غرور و تکبّر، کذب و بد دیانتی، شراب خوری اور زناکاری وغیرہ امراضِ روحانیہ کے ازالہ کے لئے بھی روحانی حکماء کی اشد ضرورت ہے۔ جو مرض کی اچھے طریقے سے تشخیص کر کے اس کا علاج تجویز کریں اور روحانی مریض اس نسخہ کو استعمال کر کے اُس سے

شفایاب ہوں۔

حق تعالیٰ نے یہاں ہمارے جسموں کی صحت کے لئے مختلف جڑی بوٹیاں پیدا فرمائیں جن کو استعمال کر کے ہم شفاء حاصل کرتے ہیں۔ پھر کوئی مریض بغیر طبیب کے بتائے ہوئے کوئی دوا استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ اگر کوئی زیادہ عقل کا دعویٰ کر کے طبیب کی مرضی کے بغیر کسی دوا کو استعمال کرے اور وہ اس کی طبیعت کو راس نہ آئے تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی انسان بغیر کسی روحانی طبیب کے مشورہ (CONSULTATION) کے اپنا علاج کرنا چاہیے یا اُن لوگوں سے اپنا علاج کروائے جو اس معاملہ میں اہلیت نہیں رکھتے تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

لیکن جب کوئی روحانی مریض اُس روحانی طبیب (نبی) کی تشخیص کے مطابق تجویز کردہ نسخہ کو آزمائے گا۔ تو اس کی جملہ روحانی امراض کا ازالہ ہو کر وہ روحانی اخلاق اُس کے اندر پیدا ہو جائیں گے۔ جن کو انسانی زندگی کی معنویت کہا جاتا ہے۔ بلکہ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی یہ انسانی معنویت اور انسانی اخلاق کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں، یہ سب نتیجہ ہے انبیاء علیہم السلام کے علمی نکات، فکری استدلال اور وجدانی کیفیات کے نقوشِ پا کا جو انہوں نے اپنی کامل اور اکمل حیاتِ طیبہ میں وقت کی شاہراہ پر چھوڑے۔ انبیاء علیہم السلام کے انہیں نقوشِ پا پر چل کر آج دنیا اپنی منزل تلاش کر رہی ہے۔ کتنا صحیح فرمایا حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے کہ:—

"آج جہاں بھی عدل و میزان کا وجود ہے، وہ کسی یونانی حکیم یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف اور تقریر و خطبہ کا اثر نہیں ہے۔ بلکہ طبقۂ انبیاء ہی کے بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بہترین مبلغ سہی۔ مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی نیکوکاری، حسن خلق کی تعلیم، تبلیغ اور دعوت الٰہی کی زبانوں سے ہو رہی ہے۔ جو رسولوں کے پیرو اور پیغمبروں کے تابع ہیں — جو عقیدہ کے ملحد ہیں ان کی بھی نیکوکاری انہی پیغمبروں کے دانستہ فیضانِ تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اس بناء پر جو لوگ ذہنی طور پر پیغمبروں کے منکر ہیں وہ بھی علمی طور سے اُن کی تعلیم کے مقر اور معترف ہیں۔" (سیرت النبی۔ جلد ۴ صـ ۲۰۶)

اس کے ساتھ یہ چیز بھی ذہن میں رہے کہ جسمانی مریض اگر اپنی کھوئی ہوئی صحت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو اُن کے لئے ضروری ہے۔ کہ طبیب یا ڈاکٹر جس غذا یا دوا کو مضر صحت بتائیں اُسکو

بے چون وچرا مان لیں۔ کیوں اور کیسے کا تکرار اپنی جہالت کو آشکارا کرنا اور اپنی صحت سے کلیتہً ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔ اُس دوا یا غذا کی کیفیات سے وہ آشنا ہوں یا نہ ہوں وہ اس کو استعمال کرتے رہیں۔ اسی طرح ان مریضوں کو بھی جو اپنی روحانی صحت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اپنے روحانی اطباء (انبیاء علیہم السلام) کے ہر حکم کو بے چون وچرا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اُن کے حضور سوال وجواب کی تکرار بعض دفعہ ابدی موت پر منتج ہوتی ہے ــــ چنانچہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ	اے ایمان والو! نہ اونچی کرو اپنی آوازیں
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ	نبیؐ کی آواز سے بڑھا کر اور نہ چلّا کر بات
کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ	کرو آپ سے مثل بات کرنے کے آپس میں
وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (الحجرات)	ایک دوسرے سے (کہیں ایسا نہ ہو) کہ

تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں (اُن کے ضائع ہونے کا) شعور بھی نہ ہو۔

اسی شے کو امام غزالی رحمۃ اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"مجھے قریباً دس سال کی خلوت اور عزلت کے بعد ذوق و وجدان اور حلاوت ایمان سے اس بات کا انکشاف ہوا کہ انسان کی تخلیق بدن اور قلب سے ہے۔ قلب سے مراد وہ حقیقت روحانیہ ہے جو حق تعالیٰ کی معرفت کا محل ہے۔ نہ کہ گوشت اور خون کا لوتھڑا جس میں مردے اور بہائم بھی آدمی کے شریک ہیں۔ پھر جس طرح بدن کے لئے صحت اور بیماری ہے۔ جس میں یہ ہلاک بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قلب کے لئے بھی صحت وسلامتی ہے اور نجات اُسی کو حاصل ہو گی جو حق تعالیٰ کے حضور میں قلب سلیم لے کر حاصل ہو گا۔ پھر جس طرح قلب کے لئے صحت ہے، اسی طرح اُسے مرض بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کیلئے اخروی ابدی ہلاکت مضمر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزّت قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ۔ (اُن کے قلوب میں مرض ہے) حق تعالیٰ سے جہالت اور ناآشنائی زہر قاتل ہے۔ اور خواہشات اور ہوائے نفسانی کی اتباع سے حق تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی قلبی بیماری ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت جہالت کے زہر قاتل کے لئے تریاق ہے۔ اور ہوائے نفسانی کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت قلبی بیماریوں کی دوائے شافی ہے۔ اور امراض قلبیہ کا ازالہ اور گم شدہ صحت کا حصول ان ادویہ ہی

سے ہے۔ جیساکہ جسمانی امراض کا ازالہ اور حصولِ صحت ادویہ پر منحصر ہے۔ پھر جسطرح جسمانی ادویہ کا حصولِ صحت میں موثر ہونا عقلاء کی عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس میں اطباء کی پیروی اور تقلید ضروری ہے۔ جنہوں نے اس چیز کو انبیاء علیہم السلام سے حاصل کیا اور انبیاءؑ نے ان کے خواص اپنے نورِ نبوت سے معلوم کئے۔ اسی طرح عبادات کی ادویہ کے خواص اور اُن کا خاص حد اور خاص مقدار میں امراضِ قلبیہ کے لئے مفید صحت ہونا، اس کی وجہ بھی عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کے لئے بھی انبیاء علیہم السلام کی اتباع اور پیروی ضروری ہے۔ جنہوں نے نہ کہ عقل سے بلکہ نورِ نبوّت سے ان اشیاء کے خواص معلوم کئے ہیں۔ پھر جس طرح ادوّیات کا مختلف النوع، مختلف المقدار اور مختلف الاوزان ہونا حکمت سے خالی نہیں۔ اسی طرح عبادات کا جوکہ امراضِ قلبیہ کی ادویات ہیں۔ مختلف النوع اور مختلف المقدار سے مرکب ہونا خالی از حکمت نہیں۔ جیسے سجود کا رکوع سے دوچند ہونا اور صبح کی نماز کا عصر کی نماز سے نصف ہونا۔ اس کا علم بھی صرف نورِ نبوت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور جو شخص ان چیزوں کے اسرار و حِکَم عقل سے مستنبط کرنا چاہتا ہے۔ یا اُن کو محض اتفاقی اور خالی از حکمت سمجھتا ہے، وہ بیوقوفی اور جہالت کے قعرِ ذلت میں گرا ہوا ہے۔ اور جس طرح ادویہ کے کچھ اصول و ارکان اور کچھ مکملات ہیں۔ جو اپنی جگہ پر الگ الگ خاصیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح سنن و نوافل ارکان عبادات کے مکملات ہیں۔ مختصر یہ کہ باطنی اور روحانی امراض کے طبیبِ حاذق انبیاء علیہم السلام ہیں۔"

(المنقذ من الضلال ص۱۱۷)

(باقی آئندہ)

بقیہ: ضرورتِ وحی — سے ہدایت یافتہ ہوتا تو ہدًی للضالین ہونا چاہئے تھا۔ (گمراہوں کے لئے ہدایت) امام جلال الدین سیوطی نے سچ لکھا ہے۔ کہ علمی اصطلاحات نے لوگوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ یہاں تقویٰ لغوی مراد ہے شرعی نہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ نے ترجمہ میں اس نکتہ کو اس طرح سمجھایا اور شبہ کو حل کیا کہ "ہدایت ہے ڈرنے والوں کے لئے"۔ جس طرح گندم کا بیج نہ ہو تو گندم نہیں اُگ سکتا۔ اس طرح قلب کی زمین کا بیج اللہ کا ڈر ہے قلب زمین ہے۔ اور قرآن بارش۔ اب اگر زمین بیج سے خالی ہو یعنی قلب میں اللہ کا خوف اور ڈر نہ ہو تو ہدایت کیسے حاصل ہوگی۔ نفسیاتی حقیقت بھی یہی ہے کہ جس کا ڈر ہوگا طلب بھی اُسی کی ہوگی جس کو ڈر نہیں طلب و جستجو بھی نہیں ہوگی —

(باقی آئندہ)

یہ معصیت تو میرے نزدیک اکبر الکبائر کا مرتبہ رکھتی ہے۔ کہ کوئی بندہ اور بشر تفسیر و تعبیر کی آڑ پکڑ کر کلام الٰہی میں کچھ اپنی طرف سے بڑھا دے یا گھٹا دے یا اس میں کچھ اور ردّ و بدل کر دے۔ تنقید نے

تفسیر و تعبیر کی آڑ میں ....

از رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم

خوب روشن کر دیا ہے کہ بائبل یعنی عہد قدیم و جدید دونوں کی کتنی کتابیں دوسروں کے نام سے لکھ دی گئی تھیں۔ اور رفتہ رفتہ جو الحاقات ہوتے رہے ان کے لحاظ سے تو وہ کتابیں کیا ہیں۔ گویا طبقات ارض کے مطابق مختلف ادوار کے وہ تہہ بہ تہہ طبقے ہیں اور ستم یہ کہ ان تمام تحریفات کے تسلیم ہو جانے کے بعد ہی یہ ماہرین فن اس تحریف پر کوئی ملامت و سرزنش نہیں کرتے بلکہ مجرموں کی طرف سے یہ صفائی پیش کرنے لگتے ہیں۔ کہ اخلاص و صداقت کا معیار تو آخر ہر زمانہ اور ہر ملک میں مختلف ہی رہا ہے۔ بلکہ بعض نے تو کمال ہی کر کے یہاں تک کہہ دیا کہ محرّف کی نیّت تو نیک ہی ہوتی ہے۔ اور اس لئے وہ قابلِ الزام نہیں بلکہ قابلِ عزّت ہے۔ چنانچہ مسٹر چیڈوک اپنی دی بائبل آف ٹوڈے میں لکھتے ہیں :

"جن لوگوں نے خود لکھ کر ان تصانیف کو اکابر (انبیاء و حواریین) کی جانب منسوب کر دیا ہے، ان کے حق میں اتنا تو بہر حال کہا ہی جا سکتا ہے۔ کہ انہیں خود نمائی اور ذاتی شہرت مقصود نہیں تھی۔ اپنے آپ کو انہوں نے مٹا دیا۔ اپنے کو گمنام و بے نشان کر دیا تاکہ کتب مقدسہ کی عظمت میں فرق نہ آنے پائے۔"

کیا خوب اگر یہ استدلال صحیح ہے تو آخر اس میں کیا برائی ہے جو بت پرست قوموں میں بتوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور وہم پرست معتقدوں کے سوالات کے جوابات خود چھپے ہوئے بت کی زبان سے دیا کرتا ہے۔ گمنامی اور بے نشانی میں تو اس کو بھی مطلق شبہ نہیں۔ اور پھر دنیا میں جتنے بڑے بڑے جعلساز ہوئے ہیں۔ جنہوں نے مصنوعی سکّے بنائے ہیں جعلی دستاویزیں تیار کی ہیں جعلی نوٹ چلائے ہیں، یہ غریب کس خود نمائی اور ذاتی شہرت و نمود کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔؟ کیوں نہ اسی دلیل سے ان سب کو ہیرو قرار دے دیا جائے؟ افسوس ہے کہ خود بائبل کے اندر اس جعل و تلبیس کی سند جواز موجود ہے۔ ملاحظہ ہو پال کا مکتوب رومیوں کے نام باب ۳ آیت ۷۔ لیکن قرآن کریم کی تعلیم نے اس کے برعکس ایسے محرّفین اور جعل سازوں کی شدید ملامت و مذمت کی ہے۔ فویلٌ للّذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللّٰہ۔ (البقرہ آیت ۷۶)

اور حقیقت حال یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا جعلساز اور کھوٹے سکّے گھڑنے والا بھی اس مجرم کے جرم کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو بندہ اور بشر ہو کر اپنے کلام کو معاذ اللّٰہ کلام الٰہی بنا کر پیش کر دے۔

("اسلام یا حکومت الٰہی" از محمد علی کی ذاتی ڈائری ج ۲ ۲۴۴ - ۲۴۵)

مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب ۔ راولپنڈی
صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان کاملپوری علیہ الرحمۃ

قانونِ مکافاتِ عمل

گذشتہ سے پیوستہ

ان جرائم پر غور کیجئے۔ شرک وبت پرستی کے علاوہ دنیا میں انہماک، آخرت فراموشی۔ نام آوری کے لئے بڑی بڑی بلڈنگیں بنوانا ظلم وستم۔ دین سے مذاق۔ ہٹ دھرمی اور اپنی طاقت پر غرور یہ ایسے جرائم تھے جو اس قوم کو لے ڈوبے۔ اور اپنی بڑی بڑی عمارتوں اور حفاظتی مورچوں کے باوجود عذابِ خداوندی سے نہ بچ سکے۔ خود قرآن نے ان کی ظاہری طاقت وقوت کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللّتی لم یخلق مثلها فی البلاد۔ (نبی نہیں ویسے سارے شہروں میں) لیکن ان کی یہ سب مادی طاقتیں، اونچے قدوقامت اور ڈیل ڈول اور محفوظ قلعے خدا کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آسکے۔ اور چشم زدن میں یہ قوم پیوندِ زمین ہوگئی۔ قرآن سے یہ ہولناک منظر سنیئے ــــــــ

واما عادٌ فاهلکوا بریحٍ صرصرٍ عاتیۃٍ	اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی
سخرها علیهم سبع لیالٍ و ثمانیۃ	سناٹے کی ہوا سے نکلی جائے ہاتھوں سے
ایام حسوماً فتری القوم فیها صرعیٰ	مقرر کر دیا اسکو ان پر سات رات اور
کانهم اعجاز نخلٍ خاویۃٍ	آٹھ دن تک لگاتار۔ پھر تو دیکھے کہ وہ

لوگ اس میں بچھڑ گئے۔ گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کے کھوکھلے۔

ایک مضبوط طاقتور قوم جو اکھاڑے میں لنگوٹ کس کر یہ نعرہ لگاتی ہوئی اتری تھی کہ ــــــــ "من اشد منا قوۃ" ــــــــ (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) وہ خدا کی ایک ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے اور ایسے گرانڈیل پہلوان ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے بے جان تنے ہیں ــــــــ

آج بھی اگر کسی ملک پر طوفانی ہوائیں اور آندھیاں بطور عذاب مسلط کر دی جاتی ہیں۔ تو وہاں کے

رہنے والوں کو اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہئے کہ کہیں ہمارے اندر "قوم عاد" کی عادات وخصائل تو نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق ان جرائم کا یہ قدرتی نتیجہ ہے۔ تہذیب یافتہ ممالک اور اقتصادی طور پر مستحکم قومیں اگر ظلم وستم اور جبر وتشدد کی اُن راہوں پر چل پڑیں گے جن پر قوم عاد گامزن تھی۔ تو پھر ان کی تباہی بھی اسی قانون کے ماتحت زود یا بدیر یقینی ہے۔ ظاہری ترقیاں اور مضبوط حفاظتی اقدامات جب قوم عاد کو خدا کے عذاب کو نہ بچا سکیں۔ یہ قومیں بھی اگر اسی طرح خدا کے غضب کو دعوت دیتی رہیں تو خدا کے غضب سے بچ نہیں سکتیں۔

قوم عاد کے بعد قوم ثمود دنیا میں ابھرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صالحؑ کو اس قوم کی ہدایت کے لئے منتخب فرماتے ہیں۔ مشترک جرم شرک تو موجود ہی ہے۔ اس کے ساتھ دیگر چند جان لیوا جرائم اور ہلاکت آفرین معصیتوں میں بھی یہ قوم مبتلا تھی۔ جن کی وضاحت قرآن نے فرمائی :۔

۱۔ پہلا جرم۔ شعائر اللہ کی بے حرمتی ــــ قوم ثمود نے حضرت صالح سے عہد کیا تھا۔ کہ آپ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان سے حاملہ اونٹنی نکال دیں۔ تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ خدا نے حضرت صالحؑ کی دعا سے ایسا ہی کر دیا۔ دعوتِ توحید کے بعد ارشاد فرمایا :

قد جاءتکم بینۃ من ربکم۔ ھذہ	تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی
ناقۃ اللہ لکم آیۃً فذروھا تأکل	طرف سے۔ یہ اونٹنی اللہ کی ہے تمہارے
کل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوءٍ	لئے نشانی۔ سو اسکو چھوڑ دو کہ کھائے
فیاخذکم عذاب الیم۔	اللہ کی زمین میں۔ اور اسکو ہاتھ نہ لگاؤ بری
	طرح پھر تم کو پکڑے گا۔ عذاب درد ناک۔

لفظ "آیۃً" سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ معمولی نوعیت کی اونٹنی نہیں تھی۔ بلکہ اسکی حیثیت اللہ کے شعار کی سی تھی۔ یہ لوگ بجائے عہد پورا کرنے کے خود اس اونٹنی کے مارنے کے درپے ہو گئے۔ "اشقی القوم" نے اٹھ کر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔

۲۔ دوسرا جرم۔ حق پرستوں کے خلاف سازش ــــ قوم ثمود میں نو۹ افراد کی پارٹی تھی۔ جس کا کام فساد وتخریب تھا۔ انہوں نے حضرت صالح اور ان کے خاندان کے بارے میں سازش کی کہ راتوں رات ان کے گھر پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اور سب کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ اگر کسی نے خون کا دعویٰ کیا تو کہہ دیں گے کہ جناب ہم کو کیا خبر۔ ہمیں تو ان کی تباہی کا ذرا بھی حال معلوم نہیں ــــ

سورۃ نمل میں ارشاد ہے :

وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط	اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے
یفسدون فی الارض ولایصلحون۔	ملک میں اور اصلاح نہ کرتے۔ بولے کہ
قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنّہ واھلہٗ	آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو
ثم لنقولنّ لولیّہٖ ماشھدنا	جا پڑیں ہم اس پر اور اس کے گھر پر۔ پھر
مھلک اھلہٖ وانّا لصادقون۔	کہہ دیں گے۔ اس کے دعویٰ کرنے والے

کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں۔

۳۔ تیسرا جرم۔ پیغمبر کی گستاخی — کافر قومیں مجموعی طور پر پیغمبروں کی بے عزتی کرتی رہیں۔ اور ان کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرتی رہیں۔ قوم ثمود بھی قوم عاد کی طرح اس جرم کی مرتکب ہوئی۔ اس قوم کے پیغمبر کے بارے میں ریمارکس قرآن نے نقل کئے ہیں :

فقالوا ابشراً منّا واحداً نتبعہٗ۔ انّا اذاً	پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں اکیلا
لفی ضلٰلٍ وسعرٍ۔ ءاُلقی الذّکر علیہ	ہم اس کے کہے پر چلیں گے۔ تو ہم غلطی میں
من بیننا بل ھو کذاب اشر۔	پڑے اور سودا میں۔ کیا اتری اس پر
	نصیحت ہم سب میں سے۔ یہ جھوٹا ہے۔
	بڑائی مارتا ہے۔

سورۂ نمل میں اس جرم کو ان الفاظ سے واضح کیا گیا۔

قالوا اطّیرنا بک وبمن معک۔	بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور
	تیرے ساتھ والوں کو۔

۴۔ چوتھا جرم۔ خودساختہ نظریات کو صحیح سمجھتے ہوئے ربّانی ہدایت کو غلط سمجھنا — دراصل جب کوئی قوم وحی اور آسمانی تعلیم سے روگردانی کرتی ہے۔ تو حق کی راہ اس سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کے غلط تخیلات اسکو راہ راست پر آنے نہیں دیتے۔ قرآن کریم نے کفار کی اس کیفیت کو بار بار ذکر کیا ہے — قوم ثمود کا حال یہی تھا۔ ارشاد ہے :

واما ثمود فھدینٰھم فاستحبّوا العمٰی	سو وہ جو ثمود تھے سو ہم نے ان کو راہ بتلائی۔
علی الھدٰی۔	پھر انکو پسند آیا اندھا رہنا راہ سوجھنے سے۔

قوم ثمود کی ہلاکت کا حال بڑے عبرت انگیز طریقہ سے قرآن نے ذکر کیا ہے۔ جرائم کے بڑھنے

کے ساتھ ساتھ عذاب کی نوعیت و شکل بھی بدلتی جاتی ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت تیز و تند طوفانی ہوا سے ہوئی تھی۔ قوم ثمود کی ہلاکت میں جہاں سمائی عذاب یعنی "الصیحۃ" کا دخل تھا۔ وہاں ان کے خصوصی جرم "فساد فی الارض" کی وجہ سے ارضی عذاب یعنی "الرجفۃ" زلزلہ بھی آیا ـــــ فوقانی و تحتانی دونوں قسم کے عذاب سے قوم ثمود کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ :

وثمود فما ابقی ۔	اور غارت کیا ثمود کو۔ پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا۔
واخذ الذین ظلموا الصیحۃ فاصبحوا فی دیارھم جثمین۔ کان لم یغنوا فیھا۔	اور پکڑ لیا ان ظالموں کو ہولناک آواز نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے۔ جیسے کبھی رہے ہی نہیں تھے وہاں
فاخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جثمین ۔	یعنی آپکڑا ان کو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے۔

قوم لوط اور اس کے امتیازی جرائم

تیسری بڑی قوم جس کے جرائم اور پھر دنیا سے نیست و نابود کرنے کا ذکر قرآن کریم نے بڑی تفصیل سے کیا ہے، وہ قوم لوط ہے۔ کفر اور شرک کے مشترکہ جرم کے ساتھ ساتھ جن امتیازی جرائم کی نشاندہی کی ہے ان میں اہم ترین جرم غیر فطری طور پر شہوت رانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و زن دو انسانی انواع کو پیدا فرمایا۔ اور آپس میں جائز طور پر ازدواجی تعلقات قائم کرنے کا حکم دیا۔ ان جائز طریقوں سے تکمیل شہوات وغیرہ کے علاوہ قوم لوط غیر فطری رجحان کو اپنائے ہوئے تھی۔ اور آپس میں مردوں کا اختلاط انکی عادت بن چکی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس مکروہ فعل سے ان کو منع کیا۔ مگر یہ عادت بدکب ان کو راہ راست پر آنے دیتی۔ الٹا حضرت لوطؑ کا مذاق ہونے لگا۔ اور جلا وطن کرنے کی دھمکیاں دینے لگے۔ ارشاد ربانی ہے :

ولوطاً اذ قال لقومہ اتاتون الفاحشۃ ماسبقکم بہا من احد من العالمین ۔	اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بے حیائی کے کام پر۔ تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے جہاں میں ۔
ائنکم لتاتون الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم تجھلون۔	کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو۔

ـــــ(باقی آئندہ)ـــــ

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔اے
شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی

سیاست و تعمیرِ ملّت

حضرت علامہ سیّد سلیمان ندویؒ کے افکار کی روشنی میں ——

عزیز گرامی جناب مولانا سمیع الحق صاحب کے تقاضے پر فقیر کی زیرِ ترتیب کتاب "سلوکِ سلیمانی" کی ایک فصل ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہے۔ حضرت سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ کا سیاسی نظریہ اور تعمیرِ ملّت کے متعلق کچھ افکار پر ان سطور سے غالباً کچھ روشنی پڑ سکے گی۔ قارئین کو اگر کچھ تشنگی نظر آئے تو اسے ہیچمدان کی کم سوادی پر محمول فرمائیں —— "محمد اشرف"

سیاست ایک دھوپ چھاؤں ہے۔ وہ دم بدم بوقلموں کی طرح رنگ بدلتی ہے۔ کہ ہر زمانہ کے خیالات یکساں نہیں ہوتے۔ حالات و ظروف بدلتے رہتے ہیں۔ حسن و قبح کے انسانی معیار میں تغیّر آتا ہے۔ جو کل حق نظر آ رہا تھا۔ وہ آج باطل دکھائی دیتا ہے۔ اور جو آج غلط ہے۔ وہ کل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ انسانی علم کی کوتاہی و نارسائی، مستقبل و مغیبات سے ناآشنائی، حصولِ جاہ و اقتدار اور مال و دولت کی حرص آز سے مل کر ہر روز نئے نئے سیاسی نظریات کو وجود بخشتی ہے۔ لیل و نہار کی ہر گردش کے ساتھ سیاسی افکار و خیالات، نظریات و طرق میں تغیر و تبدل اور اُتار چڑھاؤ جاری رہتا ہے۔ اہلِ سیاست اپنے مزعوعہ فکری و سیاسی نظاموں کی کامیابی اور حصولِ قوّت و اقتدار کے لئے ہر قسم کی جد و جہد میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اس کام کے لئے ہر قسم کے اسباب و وسائل بروئے کار لاتے ہیں —— غرض اس تماشہ گاہِ عالم میں سیاست کی رنگا رنگی ہر روز ایک نیا منظر پیش کرتی ہے۔ اور زمانہ کے ہر موڑ کے ساتھ سیاست بھی اپنا رُخ بدلتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دین جو حق مطلق اور صداقتِ دائمی ہے۔ وہ ناقابلِ تغیّر ہے ——

حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیّری ۔۔۔ بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

اس لئے اہلِ دین کے لئے ہر تغیر پذیر سیاسی نظریہ کی پرکھ کا معیار دین کے غیر متغیر حقائق ہیں۔ اور سیاسی فکر و نظریہ اور اس کے طریق کار کے حسن و قبح کی کسوٹی دین کی غیر متبدل حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ ہر نظریہ فکر دین کے معیار پر کامل اُتر سکتا ہے۔ اور نہ ہر سیاسی نظام دین کہلایا جاسکتا ہے۔ نہ ہر غلبہ و تفوق کی کوشش کو "اسلامی ریاست" کہا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر اہل دین و سالکین کے لئے ہر قسم کی سیاسی تگ و دَو، کوشش و جستجو میں شرکت و اشتغال بغیر اسکی حقیقت و مآل کو جاننے کے ممکن نہیں۔ گو اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری نے سیاست کو "شجرہ ممنوعہ" قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح "قیصر و خدا" کی دو علیحدہ علیحدہ مملکتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور نہ ہی "سیاست" اسلامی حیطۂ عمل اور دائرۂ سلوک سے خارج ہے، تاہم خالص "اسلامی سیاست" کا "شجرۂ طیبہ" اپنی ہی زمین میں برگ و بار لاتا ہے۔ اور اسلامی دعوت کی ہمہ گیری اسے پروان چڑھاتی ہے۔ حضرت سید الملت قدس سرہٗ کا ارشاد ہے:

"اسلامی سیاست دعوت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ دعوت میں سیاست خود بخود آجاتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فائنیس کے وزیر اور سیاسی قوتیں جمع نہیں کیں۔ نہ یہ کہا کہ آؤ مل کر حکومت کریں۔ صرف کلمہ کی طرف لوگوں کو بلایا۔ دین کی دعوت دی، سیاست ذیل میں خود بخود آگئی، گو اسلام میں سیاست اور دعوت علیحدہ نہیں ہیں۔ لیکن سیاست کے منافع اور ضرر سے دعوت پر بھی اثر پڑتا ہے ـــــ"

ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں:

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے۔ مگر حقیقت ہے۔ کہ اسلامی دعوت کی وسعت جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ تک وسیع تھی۔ وہ گھٹتے گھٹتے صرف چند عقائد اور چند عبادات تک محدود ہو کر رہ گئی بنی اُمیہ نے اپنے عمل سے سیاست کو دین سے خارج کر دیا۔ اور عباسیہ نے تہذیب و تمدن و آداب کو بھی دین کی ہمہ گیری سے الگ کر لیا۔ اس کے بعد ایرانی و ترکی و تاتاری سلاطین نے قرآن کے ساتھ آئین نوشیروانی اور تورۂ چنگیزی کا اضافہ کیا۔ وہ دین تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھتے تھے۔ مگر اُن کی سیاست اور خراج و باج کے آئین قیصر و کسریٰ اور چنگیز و ہلاکو کے دستور و قواعد پر مبنی تھے۔ اس لئے ہماری یہ پچھلی سلطنتیں مسلمانوں کی تو ضرور تھیں۔ مگر اسلام کی نہ تھیں۔ یعنی اُن کے فرمانروا مسلمان تھے۔ مگر ان کی حکومت کا قانون اسلامی نہ تھا۔ جس طرح آج انگریزی عہد میں "محمڈن لا" جاری ہونے سے کوئی سلطنت اسلامی نہیں ہوسکتی تھی۔ تو کل صرف

نکاح و طلاق و وقف وغیرہ کے اجراء سے سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی۔ الّا یہ کہ اس کے استعمال میں ہم ایک نوع کا مجاز و تساہل برتتے ہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں۔ کہ مسلمانوں نے اس اسلامی حقیقت کی تبدیلی کو آسانی سے مان لیا۔ جنگ جمل، جنگ صفین، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج کی لڑائی، معرکہ کربلا، واقعہ حرّہ، جس میں اہل مدینہ نے بنو اُمیہ کے خلاف لڑائی لڑی، واقعۂ قرّاء جس میں علمائے عراق نے بنو اُمیہ کے خلاف معرکہ آرائی کی۔ واقعہ نفس زکیہ جس میں سادات و علمائے حجاز نے مل کر عباسیہ کے خلاف پرزور بغاوت کی۔ یہ اور اس کے سوا دوسرے واقعات نے جن میں اصلاح و انقلاب کے علمبرداروں کو کامیابی نہیں ہوئی۔ خونریزی اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس لئے پچھلے متکلمین اور فقہاء نے یہ اصول بنا لیا۔ کہ ہر اصلاح طلبی میں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ فتنوں کے لئے نئے دروازے تو نہیں کھلتے۔ اور حالات بد سے بدتر تو نہیں ہو جائیں گے ـــــ

ان اصلاح طلبوں اور انقلابیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ انقلاب سے پہلے انہوں نے انقلاب کی دعوت کا دَور اپنے اُوپر نہیں گزارا۔ اور زمین میں ہل چلانے سے پہلے زمین میں تخم ریزی شروع کی۔ آخر اسی زمانہ میں ابومسلم خراسانی کی تحریک جس سے عباسیہ حکومت کا آغاز ہوا۔ اور اسماعیلیوں کی تحریک جس سے دولت فاطمیہ پیدا ہوئی۔ اور محمد بن تومرت کی تحریک جس سے موحدین مراکش کی سلطنت قائم ہوئی۔ کس طرح دعوت کی راہ سے بڑھی اور پھلی اور پھولی اور مدتوں قائم رہی ـــــ

زمانہ کے انقلابات نے آج بہت سے امکانات پیدا کر دئے ہیں۔ ہر جگہ شخصی سلطنتوں کے تخت خالی ہو گئے۔ دستوری اور جمہوری اور عوامی سلطنتوں کے آئین پر حکومتیں قائم ہو رہی ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ اسلامی اصول سلطنت پر کوئی سلطنت قائم کیوں نہیں ہو سکتی۔"

(معارف اعظم گڈھ ج ۶۰ نمبر ۴ صفحہ ۲۵۱)

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ اسلام میں سیاست دین سے علیحدہ نہیں۔ لیکن اس کے وجود میں آنے اور اسے بروئے کار لانے کے لئے دعوت اور صحیح ذہنی و فکری تربیت کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا پوری طرح خوش آئند نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ ہر سیاسی انقلاب سے پہلے مسلمانوں کی صحیح دینی تربیت کو ضروری سمجھتے تھے ـــــــــــــــ چنانچہ

ارقام فرماتے ہیں :

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ پیشِ نظر سیاسی انقلاب خواہ کتنا ہی خوش آئند ہو۔ ان کے اعلیٰ مطمح نظر نہیں بن سکتا۔ ان کا اصلی مقصدِ حیات تو اشخاص کا عروج و زوال، پارٹیوں کی شکست و ریخت، وزارتوں کا عزل و نصب اور زمینوں کا ردّ و بدل نہیں۔ بلکہ عقائد و اصول کی تصحیح، مقصدِ حیات کی تعین اور مسائل زندگی میں اسلامی نظام کی سچی تقلید اور پیروی ہے۔ اور اسکی برقراری کے لئے دلوں سچی تڑپ اور ناقابلِ سکون اضطراب، غرض ہم کو نئے سرے سے ایک نئی عمارت کا کام کرنا ہے۔

بحمداللہ کہ مسلمان نوجوانوں میں اس حقیقت کا ادراک ہو رہا ہے۔ اور یہ آواز پہلے کی طرح اب نامانوس نہیں رہی ہے —— کہ رجوع الی الاسلام، یعنی زندگی کے ہر اصول میں اسلام کی طرف بازگشت ہی ہر بیماری کا علاج ہے۔

اس لئے حکومت کا خواب دیکھنے والوں کو پہلے اسلام کا خواب دیکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام کیا ہے۔ اس کا نظام کیا ہے۔ اس کے احکام کیا ہیں۔ اور اس کے مطابق ہمارے افراد کی زندگی ہے، یا نہیں۔ اگر نہیں ہے۔ تو ہمارے اندر وہ انقلاب کیسے پیدا ہو جو ہم کو ترکستان کی راہ سے ہٹا کر حجاز کی طرف لے جائے۔ جو ہم کو یورپ کی نقالی کی بجائے خود اپنی اصلیتِ مفقودہ کی تصویر ہم کو دکھا دے، تاکہ ہم خلافتِ موعودہ کے مستحق ٹھہریں۔

جب تک ہمارا مقصود صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین نہ ہوگا۔ اور اسی کے لئے روٹھنا اور منانا اور مرنا اور جینا نہ ہوگا۔ ہم اسی طرح ممبریوں اور وزارتوں اور لیڈریوں کے لئے آپس میں لڑتے، مرتے اور کٹتے رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے اپنا مقصود انہیں شخصی اعزازات اور اسی جاہ و منصب کے حصول کو بنا رکھا ہے۔ اور اسی کا نام ہم نے اسلامی ترقی رکھ چھوڑا ہے۔

ضرورت ہے۔ کہ عقائد و عبادات کے ساتھ اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات، اسلامی طریقِ تجارت، اسلامی اصول مضاربت یعنی (سرمایہ اور مزدوری کے طریقِ تعاون) اسلامی طریقِ کاشتکاری، اسلامی طریق کارخانہ داری، کسانوں اور مزدوروں کے اسلامی حقوق، اسلامی لین دین اور معاملات کے مسائل اور دیگر تمام ضروری امورِ زندگی کے متعلق خالص اسلامی حل لوگوں کے سامنے رکھا جائے۔ اور اس کے قبول و عمل کی دعوت دی جائے۔

جس سے اسلام کا نشاۃ ثانیہ ہو اور مسلمان مسلمان بن کر دنیا میں ظاہر ہوں ــــــــ"

(معارف ص ۲۴۳، ۲۴۴ نمبر ۴ جلد ۵۷)

سیاسی سطحی وقتی ہنگامہ آرائیوں سے بچا کر ملت کی صحیح تعمیر کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

"جماعت کی تعمیر صرف جذبات، جوش و خروش اور ہنگاموں سے نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی مقصد کے ساتھ عشق کی سی وابستگی اور اس کے حصول کی راہ میں جان و مال و عزت ہر چیز کی قربانی کا حوصلہ ہونا چاہیئے۔ اور اس راہ میں موانع کی جو شکلیں پیش آئیں۔ ان کے ازالہ اور برداشت میں صبر و ضبط اور عزیمت و استقلال اور حصولِ مقصد کے بعد اس حاصل شدہ مقصد کی بقاء کے لئے اخلاق کی بلندی، عیش و آرام کی زندگی سے پرہیز، مال و دولت اور جاہ و عزت کی حرص و محبت سے آزادی، مختلف عناصر کے مختلف افراد کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اور مقصد کی بقاء کو ہر ذاتی منفعت اور ہر شخصی فائدہ مندی سے برتر جاننا اور رکھنا اور اسی کے لئے جینا اور اسی کے لئے مرنا، جب تک کسی جماعت کے افراد میں اکثریت اور اغلبیت کے ساتھ یہ اوصاف پیدا نہ ہوں گے۔ اوّل تو کوئی جماعتی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور ہو بھی جائے تو وہ باقی نہیں رہ سکتا۔

اب ہم کو دیکھنا ہے۔ کہ آیا ہماری اس وقت کی جماعتوں میں یہ اوصاف پیدا ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں۔ تو پیدا کرنے چاہئیں۔ اگر ہیں تو ان میں مزید ترقی اور پختگی کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور ہمارے رہنماؤں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنی مختلف تحریکوں اور تعلیموں میں ان اصولوں کی تعلیم کے سبق دیا کریں۔ جماعتیں بھی بچوں ہی کی خاصیتیں رکھتی ہیں۔ اور اُن کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی انہی جیسے ہیں۔

اسلام میں بدر کا معرکہ جو ۳۱۳ مسلمانوں کا کارنامہ ہے۔ ہر وقت پیدا کیا جا سکتا تھا۔ مگر بدر کے وقوع کے لئے تیرہ برس کے انتظار کی ضرورت پیش آئی۔ اور جب تک ٹھوک بجا کر اور آزمائشوں کی آگ میں تپا کر ان کو دیکھ نہیں لیا گیا۔ ان کو معرکوں میں نہیں لایا گیا۔ اس سے اندازہ ہوگا۔ کہ جماعتوں کی تعمیر صرف ضد اور ہٹ اور سب و شتم اور طعن و طنز اور شور و غل اور مختلف نعروں کے شعر پڑھنے اور چیخنے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ مقصد کی بلندی، مقصد سے عشق نما وابستگی، اس کے حصول و بقاء کے لئے اعلیٰ اخلاق، پختہ سیرت اور مضبوط کریکٹر

پیدا کرنا ضروری ہے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں۔ کہ جماعت نے اپنے وحشیانہ جوش اور شجاعت سے کسی مقصد کو حاصل کر لیا، لیکن چونکہ اس کی بقاء کے لئے جو اخلاق اور کریکٹر چاہئے۔ اُن کے نہ ہونے سے وہ مقصد اُن کے ہاتھوں سے بہت جلد کھو گیا، ابھی ہندوستان کی تاریخ میں اودھ کی سلطنت، روہیلوں کی ریاست، سکھوں کی شاہی اور مرہٹوں کی پیشوائی میں عبرت کی داستانیں چھپی ہیں ۔۔۔" (معارف ص ۱۶۲، ۱۶۳ جلد ۵۰ نمبر ۳)

۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقع پر مسلمانانِ ہند کو تلقین فرماتے ہیں :

"آج کل مسلمانوں میں الیکشن کا بحران ہے۔ اس بحران میں جس طرح نامعقول طریقوں سے لوگ اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ حد درجہ نامناسب ہے۔ انتہا یہ ہے۔ کہ اس سلسلہ میں سب وشتم، لعن وطعن اور زد وکوب سے بھی پرہیز نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہ طریق عمل استدلال کی قوت ظاہر کرنے کی بجائے اس کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ مذہب اور دین کی حمایت کا نام لیکر عوام کو جوش دلانا اور اس سے اپنا کام نکالنا غلط رہنمائی ہے جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ضرورت اسکی ہے۔ کہ مسلمانوں کو ضبط، صبر، ڈسپلن، تنظیم، استقامت، تحمل، برداشت، ایثار، باہمی ہمدردی، عملی وحدت اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی جائے۔ جو سیاست کی جنگ کے سب سے کارگر ہتھیار ہیں۔ صرف زبانی جوش وخروش، گرما گرم محفلی اور اخباری بحث اور براہ راست دست وگریباں ہونا قوم کی طاقت نہیں۔ ہماری بحثوں کا موضوع مسائل کا صواب وخطا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ اشخاص کے محاسن ومصائب کا اظہار"

(معارف ص ۲۶۶ ج ۵۶ نمبر ۵)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

"قومیں کاغذوں اور مسوّدوں سے نہیں بنتیں، وہ دلوں کے بدلنے اور ذہنیتوں کی اصلاح اور تعلیم وتربیت سے بن سکتی ہیں"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

"ضرورت دل ودماغ کے انقلاب کی ہے۔ جو صحیح دعوت فکری سے ہو سکتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے ظاہر ہے۔ اس کے لئے شور وغل اور دعوت جنگ وجدل کی راہ غلط ہے۔ ہمارے علماء جدید ذرائع ووسائل کار سے ناواقف ہیں۔ جوش سے کام لیتے ہیں۔ ہوش سے نہیں۔ جہاد بالسیف سے زیادہ ضروری کام (ان حالات میں) جہاد بالقلم ہے۔ ان حضرات میں سراسر جوش ہی جوش ہے۔ جو اس زمانے میں چنداں

مفید نہیں۔ دلوں کا انقلاب غیظ و غضب جوش و خروش اور جذبہ انتقام اور استعجال سے نہیں پیدا ہوتا ــــــ"

ملت کی تعمیر میں تعلیم کی جو اہمیت ہے۔ اس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

"ہم نے پہلے بھی کہا ہے۔ اور اب پھر کہتے ہیں۔ کہ مسلمان وقت سے پہلے طوفان کا اندازہ کرلیں۔ اور یہ سمجھ لیں۔ کہ ان کو ایسی تعلیم درکار ہے۔ جس سے مسلمان مسلمان بھی باقی رہیں۔ اور اس راہ میں جو غفلت سرکاری مدارس کے پہلے دور میں اُن سے ہو چکی ہے، وہ اس آنے والے دور میں نہ ہو ــــــ تعلیم کی اہمیت بہت بڑی ہے۔ یہی وہ سانچہ ہے۔ جس میں ملت کے نوجوان افراد ڈھل کر نکلتے ہیں۔ ان کی ذہنی تربیت، اخلاقی نشو و نما، دماغی استعداد اور قلبی قوت یقین، یعنی ساری ذہنیت اسی کے ذریعہ بنائی اور بگاڑی جاسکتی ہے۔ اُمت کو جیسے افراد کی ضرورت ہے۔ وہ اُسی کے ذریعے تیار ہوتے ہیں۔ اور ہو سکتے ہیں۔ خوب سمجھئے کہ ہندوئیت کی طرح اسلامیت کوئی قومیت یا وطنیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذہنی یقین اور اعمال و اخلاق کے ایک خاص طریق کا نام ہے۔ جس کی بقاء تعلیم و تربیت کے سوا اور کسی ذریعہ سے ممکن ہی نہیں۔ اس کی بقاء کے لئے تعلیم و تربیت کے ایک خاص نظام کی ضرورت ہے۔ جو مسلمانوں کے مسلمان رہنے اور بننے میں مدد دے۔"

قیام پاکستان کے بعد علامہ محمد یوسف صاحب البنوری کو بھوپال سے ایک خط میں لکھتے ہیں :

"معلوم نہیں جہاں آپ ہیں۔ (یعنی پاکستان میں) کیا صورت حال ہے۔ کیا معنوی صورتیں مسلمانوں میں اُبھر رہی ہیں۔ یا صرف شور و غل اور ریا و نمائش ہے۔ یہ وقت جوش و خروش کا نہیں ہوش کا ہے ــــــ مسلمانوں کو انّ الارض یرثہا عبادی الصالحون۔ کے مطابق صالح بننا چاہئے۔ اور وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کے مطابق ایمان و عمل صالح میں ترقی کرنی چاہئے۔ اس وقت مسلمانوں میں نظم، ضبط، ثبات قدمی، اطاعت امراء، جد و جہد و سعی و محنت، ایثار و اخلاق پیدا کرنے اور حبّ مال، حبّ جاہ اور حب نفس کے خبائث کو اندر اندر سے نکالنے کی ضرورت ہے ــــــ کاش میری یہ آواز مسلمانوں تک پہنچ سکتی۔"

اسی خط میں ۱۹۴۷ء کے خونچکاں ہنگاموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

"از ماست کہ بر ماست" مسلمانوں پر جو کچھ وبال ہے۔ وہ اُن کے اعمال کی سزا ہے۔ کاش

اب بھی قلوب میں انابت ہو۔ اور مسلمان سمجھیں کہ اُن کا مقصد اوّل اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ خواہ وہ تختِ سلطنت پر ہو۔ یا بوریائے فقیر پر، ان کو شیطان سے اس لئے مخاصمت نہیں۔ کہ یہ شیطان کا تخت زمین پر کیوں بچھا ہے۔ بلکہ اس لئے یہ مخاصمت ہے کہ اس تختِ شیطنت پر شیطان کیوں بیٹھا ہے، وہ کیوں نہیں بیٹھے ہیں۔"

مندرجہ بالا مباحث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی۔ کہ حضرت والا قدس سرہٗ سیاست کی خالص دنیوی عصری ہنگامہ آرائیوں، سطحی شور وغل، اقتدار کی تگ و دو کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل کام مسلمان بننا اور بنانا تھا۔ جس کے لئے مسلمانوں کی صحیح اخلاقی و معنوی، مذہبی و دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت و اہتمام کو ملّت کی تعمیر و بقاء کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اسی اعلیٰ مقصد کی طرف وہ مسلمانوں کی سیاست کے رُخ کو بھی پھیرنا چاہتے تھے۔ اور ہر اس سیاست کو غلط سمجھتے تھے۔ جو مسلمانوں کے بنیادی مقاصد و عقائد کو زک پہنچائے۔ مسلمانوں کو وہ ایک بامقصد اور خاص طرزِ حیات و پیام کی حامل اُمت سمجھتے تھے۔ اور اسکی توانائیوں، قوتوں اور استعدادوں کو صرف اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے خاص کر دینا چاہتے تھے۔ اسی بناء پر علماء اور اہل فکر طبقہ کا موجودہ عملی دنیاوی سیاست میں کلیتاً الجھ جانا پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت قدس سرہٗ کے نزدیک اس طبقہ کو محض قوم کی فکری و ذہنی رہنمائی اور صحیح اسلامی، اخلاقی و روحانی تربیت کرنا چاہیئے۔ اور "عملی سیاست" کے خارزار میں الجھے بغیر ملّت کو اسلامی سیاست، شرعی مقاصد، دینی اعمال و کردار کی تلقین و تبلیغ کرتے رہنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک خط میں اپنے متعلق فرماتے ہیں:

"سیاست کے باب میں ابھی تک عزلت گزینی پر قائم ہوں۔ اور اسی میں اپنی فلاح سمجھتا ہوں اُمت کی خدمت صرف سیاست ہی پر منحصر نہیں۔"

(باقی آئندہ)

دُعائے مغفرت

ریاست سوات کے محکمہ قضا کی وساطت سے جناب معنی دار صاحب سکنہ منگورہ کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی۔ مرحوم الحق کے معاون اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ خداوند قدوس مرحوم کو درجاتِ عالیہ اور مغفرتِ تامہ اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ ادارہ مرحوم کے لواحقین و متعلقین کے اس غم میں شریک ہے ـــ (ادارہ)

از حضرت مولانا عبدالحمید صاحب سواتی ـــ گوجرانوالہ

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کی چند وصیّتیں

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی یہ چند وصایا جنکو "متممات کتاب جامع الادلیار فی وصایا ابی حنیفہ لابنہ حماد" کے صـ۲۷ سے مولوی فقیر محمد صاحب جہلمیؒ نے اپنی کتاب "زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل" کے آخر میں نقل کیا ہے۔ میں نے اس کا ترجمہ کر کے پیش کر دیا ہے۔ تاکہ الحق کے ناظرین کرام بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ ۱۲ سواتی

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے فرزند ارجمند حمادؒ سے فرمایا کہ ـــ "اے بیٹے اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے۔ اور اپنی خاص مہربانی سے تمہاری تائید فرمائے۔ میں تمہیں چند وصیتیں کرتا ہوں اگر تم نے ان کو یاد کر لیا اور ان کی حفاظت کی یعنی ان پر کاربند ہو گئے تو مجھے امید ہے کہ تم دنیا و آخرت میں انشاء اللہ سعادت مند ہو گے" یہ وصیتیں مندرجہ ذیل ہیں ـــ

۱ـــ تقویٰ یعنی پرہیزگاری کا اس طرح لحاظ رکھو کہ اپنے اعضاء و جوارح کو معاصی اور گناہوں سے بچاتے رہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہو۔ اور اس کے اوامر کو قائم کرو۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی عبودیت کا حق ادا کرتے ہوئے اس کے اوامر کی تعمیل کرو۔

۲ـــ جس چیز سے تم ناواقف ہو یعنی تمہیں معلوم نہیں تو اس جہالت پر مت جمے رہو۔ بلکہ جس چیز کی تمہیں ضرورت و احتیاج ہو اس کا علم حاصل کر لو ـــ

۳ـــ زندگی صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ بسر کرو جن کی طرف تمہیں دین یا دنیا میں احتیاج ہوتی ہو۔

۴ـــ تم اپنے نفس سے دوسرے لوگوں کو انصاف دلاؤ۔ لیکن اپنے نفس کے لئے دوسروں سے انصاف مت طلب کرو۔ سوائے خاص مجبوری اور انتہائی ضرورت کے۔

۵ـــ کسی مسلمان اور ذمی (جو غیر مسلم مسلمانوں کے ملک میں انکے ماتحت ہو کر شہری بن کر رہتا ہے۔ اسکو ذمی کہتے ہیں) کے ساتھ عداوت مت رکھو ـــ

۶۔ جو چیز تمہیں لوگوں سے مستغنی بنانے میں مفید ہو۔ اسکو اچھی طرح لوگوں سے مخفی رکھو۔

۷۔ کسی شخص کو مت موقعہ دو کہ وہ تمہاری اہانت کرے۔ (ان لا تستہین احداً من الناس علیک)

۸۔ اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں مال وجاہ عطا فرمایا ہے۔ اس پر قانع رہو۔

۹۔ اپنے نفس کو سختی سے فضول باتوں میں پڑنے سے منع کرو۔

۱۰۔ لوگوں سے جب ملو تو سلام کرنے میں پہل کرو۔ اور کلام کرنے میں نیکی کو ملحوظ رکھو۔ اہل خیر کے ساتھ دوستی کا اظہار کرو۔ اور اہل شر کے ساتھ مدارات سے پیش آؤ۔

۱۱۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔

۱۲۔ تمہیں چاہیئے کہ سید الاستغفار کے ساتھ ہمیشہ اپنا شغل رکھو۔ اور وہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ـــ یہ دعا ہے:

اللھم انت ربی لا الہ الا انت	اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تیرے
خلقتنی وانا عبدک وانا علی	سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی میرا مربی ہے۔ تو
عہدک ووعدک ما استطعت۔	نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں۔ اور میں
اعوذ بک من شر ما صنعت	جس قدر مجھ سے ہوسکتا ہے۔ تیرے عہد
ابوء لک بنعمتک علی۔ وابوء بذنبی	اور تیرے وعدے پر قائم ہوں۔ تیری
فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت	ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ اس چیز

کے شر سے جو مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ اور تیرے جو انعامات ہیں مجھ پر میں ان کا اقرار کرتا ہوں۔ اور جو گناہ مجھ سے ہوتے ہیں، ان کا بھی میں اقرار کرتا ہوں۔ اے خداوند کریم مجھے بخش دے۔ کیونکہ گناہوں کو تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔

جو شخص اس دعا کو رات کے وقت (ایمان واخلاص سے) پڑھتا ہے۔ اگر اسی شب میں مرجائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور اگر صبح پڑھتا ہے۔ اور اسی دن میں مرجائے تو جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ابو الدرداء سے منقول ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ آپ کا مکان جل گیا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں جل سکتا۔ کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند کلمات سنے ہیں۔ (اور ان کا ورد کرتا رہتا ہوں) کہ آپ نے فرمایا جو شخص ان کلمات کو دن کے اوّل حصّہ میں پڑھے گا۔ اسکو کوئی مصیبت نہ پہنچے گی۔ رات تک اور جو دن کے آخری حصّہ میں پڑھیگا۔

اس کو کوئی مصیبت نہ پہونچیگی صبح تک۔ وہ کلمات یہ ہیں :۔

اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیک	اے اللہ تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی
توکلت وانت رب العرش ماشاءاللہ	معبود نہیں۔ میں تجھ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں۔
کان ومالم یشالم یکن ۔ لاحول ولا	اور تو عرش کا مالک ہے۔ جو چاہے اللہ تعالیٰ
قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ اَعْـلَمُ	وہ ہوتا ہے۔ اور جو نہ چاہے تو نہیں ہوتا۔
ان اللہ علی کل شئی قدیر۔ وان اللہ	گناہ سے پھرنے اور نیک کام کرنے کی
قد احاط بکل شئ علماً۔ اللھم انی	طاقت اللہ تعالیٰ جو عظیم و برتر ہے۔ اسکی
اعوذ بک من شر نفسی ومن شر کل	توفیق کے بغیر نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ
دابۃ انت آخذ بناصیتھا ان ربی	ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ علم سے
علی صراط مستقیم ۔	ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اے اللہ

میں تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ اپنے نفس کے شر سے اور زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جانور سے جسکی پیشانی تیرے قبضہ قدرت میں ہے۔ بے شک میرا پروردگار (عدل وانصاف کی) سیدھی راہ پر ہے۔

۱۳۔۔ تمہارے لئے یہ ضروری بات ہے۔ کہ قرآن کریم کی تلاوت پر ہر روز مداومت کرو۔ اور پھر اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین اور اساتذہ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کردو۔

۱۴۔۔ اپنے دشمنوں سے بچتے رہو۔ کیونکہ لوگوں میں فساد و بگاڑ بہت پیدا ہو چکا ہے تمہارا دشمن تمہارے دوستوں میں سے ہی ہوگا۔

۱۵۔۔ اپنا راز اور خیال اور اپنا طور طریقہ (مذھبک) نااہل لوگوں سے چھپاتے رہو۔

۱۶۔۔ پڑوسی کا خیال رکھو اور اس کے ساتھ احسان کرتے رہو۔ اور اسکی طرف سے تمہیں جو تکالیف پہنچیں ان پر صبر کرو۔

۱۷۔۔ اہل سنّت والجماعت کے مسلک کو مضبوطی سے پکڑو اور اہل جہالت (جاہل لوگوں) سے اور اہلِ ضلالت (گمراہ لوگوں) سے کنارہ کش رہو۔

۱۸۔۔ اپنی نیّت کو اپنے تمام کاموں میں خالص رکھو۔ اور ہر حال میں پوری کوشش کرو کہ رزق حلال کھاؤ۔

۱۹۔۔ ان پانچ احادیث پر پورا اعتماد رکھو۔ (عمل پیرا ہونے کے لئے انہیں ہر وقت ملحوظ خاطر رکھو)

جن کو میں نے پانچ لاکھ احادیث کے ذخیرہ سے منتخب کیا ہے۔ وہ احادیث یہ ہیں :-

۱- انما الاعمال بالنیات۔ — اعمال کا دارو مدار اور ثواب نیت پر ہے۔

۲- من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ — آدمی کے اسلام کی اچھائی اور خوبی سے یہ بات ہے۔ کہ وہ لایعنی (اور فضول) باتوں کو ترک کر دے۔

۳- لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔ — تم میں سے کوئی شخص پکا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کیلئے بھی وہ چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۴- المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ — حقیقت میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں۔

۵- الحلال بین والحرام بین وبینھما امور مشتبھات لایعلمھن کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات فقد وقع فی الحرام۔ کراعٍ یرعیٰ حول الحمیٰ یوشك ان یقع فیہ الاوان لکل ملك حمیً۔ الاوان حمی اللہ محارمہ۔ الاوان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ — سنو ! حلال بھی بالکل ظاہر ہے۔ اور حرام بھی۔ اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص ان مشتبہ باتوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزّت وآبرو کو بچالیا۔ اور جو شخص ان مشتبہ باتوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں جا پڑے گا۔ جیسا کہ کوئی شخص چراگاہ کے گرد جانور چراتا ہو تو قریب ہے کہ وہ کسی وقت چراگاہ میں جا پڑے گا۔ سنو ! ہر بادشاہ کی کوئی نہ کوئی چراگاہ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔) اسکی بھی چراگاہ ہے۔ اور وہ چراگاہ محرمات ہیں۔ (وہ باتیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے حرام قرار دیا ہے)۔ سنو ! انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ صحیح ہو (یعنی تندرست ہو) تو سارا جسم صحیح اور تندرست ہوتا ہے۔ اور جب وہ ٹکڑا بگڑا ہوا ہو یعنی فاسد اور خراب ہو تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔

سنو! وہ ٹکڑا دل ہے۔[1]

۲۰۔ صحت اور تندرستی کی حالت میں تمہیں خوف اور رجا (امید و بیم) کے درمیان رہنا چاہیئے۔ اور جب تم مرو تو ایسے حال میں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان (حسن ظن) رکھتے ہو۔ اور تم پر امید کا غلبہ ہو۔ اور قلب سلیم لیکر اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے ——

---

[1] حضرت مولانا فقیر محمد صاحب جہلمیؒ حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ "جن لامذھبوں کا یہ قول ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو تمام عمر صرف سترہ۱۷ احادیث ملی ہیں۔ ان میں اگر کچھ ایمان ہے۔ تو انکو امام مبرور کا یہ قول پڑھ کر ذرا تو شرمندہ ہونا چاہیئے۔ کہ امام صاحبؒ تو زبانِ مبارک سے پانچ لاکھ احادیث کا یاد ہونا بیان کریں۔ جن سے یہ پانچ احادیث انہوں نے انتخاب کیں۔ اور وہ انکی تحقیر کی غرض سے صرف سترہ۱۷ احادیث کا ملنا لوگوں سے بیان کریں ——"

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بدل اشتراک

سالانہ چندہ	چھ۶ روپے
فی پرچہ	۵۰ پیسے

نرخنامہ اشتہارات

پورا صفحہ	۵۰ روپے
نصف صفحہ	۲۵ روپے
چوتھائی صفحہ	۱۵ روپے
ٹائیٹل کا آخری صفحہ	۱۰۰ روپے
اندرونی ٹائیٹل	۷۵ روپے

جملہ کاروباری خط و کتابت اور ترسیل زر مندرجہ ذیل پتہ پر کریں۔

مینجر ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اگلے شمارہ میں

ملاحظہ فرمائیے

حج و زیارت کے بارہ میں ایمان افروز مضامین کے علاوہ سید الکائنات محبوب عربی کے شہر مدینہ پہنچنے پر علامہ مناظر احسن گیلانیؒ۔ مولانا ابوالحسن ندوی۔ مولانا محمد ادریس ندوی اور دیگر مشاہیر کے واردات و تاثرات اور دیگر اہم علمی، ملّی اور اصلاحی مضامین ——

قابل توجہ

ماہنامہ الحق مقامی دفتر سے پورے اہتمام و احتیاط سے بھیجا جاتا ہے۔ جن حضرات کو پرچہ نہ ملے وہ ازراہِ کرم مقامی ڈاکخانہ سے تحقیق فرما لیا کریں۔ اور پرچہ نہ پہنچنے کی صورت میں اُسی ماہ اطلاع دیں۔ تاکہ پرچہ دوبارہ بھیجا جاسکے۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

تبرکات و نوادر

غیر مطبوعہ مکتوب ۳

بنام مولانا قاری اصغر علی مرحوم[1]

از حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آج ۸ر رمضان المبارک یوم دوشنبہ ہے۔ آپ کا کوئی والا نامہ سوائے پہلے والا نامہ کے اب تک نہیں آیا۔ ہم سب آپ کی کمی کو محسوس کرتے ہیں۔ اور آپ کی خیر و عافیت کے مکاتیب کو بے چینی کے ساتھ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اوقات مبارکہ میں دعا بھی کرتے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کو تکالیف اور امراض پر عظیم الشان وعدے مغفرت ذنوب اور تطہیر روحانی کے بتائے گئے ہیں، اس لئے میں امیدوار ہوں۔ کہ ان تکالیف سے کبیدہ خاطر اور پریشان ہوں گے۔ مرض دینے والا بھی محبوب ہی ہے۔ اور شفاء دینے والا بھی وہی محبوب ہے۔ اور ہر حال پر ہم سے زیادہ مطلع بھی وہی ہے۔ اس لئے پورے اطمینان اور سکون سے اس کی طرف اور صرف اس کی طرف متوجہ رہئے۔ کوئی کلمہ شکوہ اور شکایت کا زبان پر نہ لائیے۔ ہاں تکلیف پر اس کے سامنے الحاح و زاری ضرور کیجئے۔ انما اشکو بثی وحزنی الآیۃ نصب العین رہے۔ یہاں کے کام بفضلہ تعالےٰ باحسن الوجوہ انجام پا رہے ہیں۔ ارشد[2] نفلوں میں روزانہ ایک پارہ حافظ ابراہیم صاحب کو سناتا ہے۔ عصر کے بعد وہ اور حافظ صاحب موصوف میرا پارہ سنتے ہیں۔ تراویح میں میں ایک پارہ پڑھتا ہوں۔ نوافل شب میں میں اور حافظ صاحب موصوف ایک ایک پارہ پڑھتے ہیں۔ رشیدین[3] مسجد میں ایک ایک پارہ پڑھ رہے ہیں۔ اگرچہ گرمی نہایت شدید ہے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ فرائض ادا ہو رہے ہیں۔ قبولیت کی امید ہے۔ آج شب سے دو تین دفعہ بوندیں پڑ چکی ہیں جو کہ لا یسمن ولا یغنی من الجوع[4] ہیں۔ فضل و کرم خداوندی کا ہر وقت انتظار ہے۔ گھر میں سب آپ کی خوشخبری صحت کے منتظر رہ کر سلام مسنون کہتے ہیں۔ اپنے متعلقین و احباب سے سلام مسنون کہہ دیجئے۔ دعوات صالحہ سے مت بھولئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

---

[1] حضرت شیخ الاسلام رح کے دوسرے صاحبزادہ۔ [2] ہندوستان کے سابق وزیر برقیات و آبپاشی۔
[3] مولانا رشید الدین حمیدی اور مولانا رشید الوحیدی دونوں حضرت رح کے قریبی عزیز ہیں۔ [4] نہ توانائی بخشے اور نہ بھوک سے نفع دے۔ [5] خط پر ۵ رجون ۴۲ء کی مہر ثبت ہے۔ (ادارہ)

تبصرۂ کُتب

تذکرۃ المفسّرین جلد اوّل

مرتب :۔ حضرت مولانا قاضی محمّد زاہد الحسینی صاحب

صفحات۔ ۱۹۴ ——— قیمت مجلّد چار روپے ——— ناشر دار الاشاعت کیمبل پور

قرآنِ مجید جو رہتی دنیا تک انسان کی رہنمائی اور فلاح و کامرانی کا آخری اور مکمل ترین صحیفۂ ہدایت ہے۔ اور خدائی اسرار و حکم علوم و معارف کا ایک ایسا گنجینہ ہے جس میں اعجاز و بلاغت الطاف و رموز عجائب علم و معرفت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے۔ ملّتِ مسلمہ کے اہل علم و ارباب فکر نے عہدِ نبوّت سے لیکر اب تک اس بحرِ حقیقت کی شناوری میں اپنا بہترین دل و دماغ خرچ کیا اور دنیائے تفسیر و تاویل کو علمی جواہر پاروں سے مالامال کر دیا۔ قرآنِ مجید کی تفسیر کا آغاز حضورِ اقدس صلعم نے ہی کیا کہ وہی اسکی شرح و تبیین کے بلند مقام پر فائز تھے۔ پھر حضور صلعم کے ارشادات کی روشنی میں صحابہ کرام نے اپنی زندگیاں قرآنِ مجید کے فہم و افہام ابلاغ و تبلیغ میں خرچ کر دیں۔ پھر عہدِ صحابہ رضؓ ہی میں تفسیر قرآن کا کتابی شکل میں ظہور ہونے لگا۔ عہدِ تابعین میں تحریری ترتیب و تدوین نے مزید ترقی کی۔ مشہور مفسّر ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) کے عہد سے بہت پہلے ہی کتب تفسیر کا سراغ ملتا ہے۔ جن میں اکثر مفسّرین حضرات پہلی صدی ہجری کے ہیں۔ اس مدوّن شدہ تفسیری سرمایہ کا زیادہ تر حصّہ علامہ طبری رحؒ نے اپنی ضخیم تفسیر طبری میں اکٹھا کیا۔ اس طرح قرآن کریم کی تفسیر زمانہ نبوت سے آج تک مختلف متنوع طریقوں پر ہوتی چلی آرہی ہے۔ زیرِ نظر کتاب "تذکرۃ المفسّرین" میں حضرت علاّمہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب نے ملّتِ مسلمہ کے چودہ سو سالہ دور کے انہی مفسرین کی تفسیری خدمات کا بقول مؤلف نقشِ اوّل پیش کیا ہے۔ کسی خاص جگہ ضرورت سے تفصیلی خدمات اور علمی مقام کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ بعض ایسے جلیل القدر مفسّرین کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ جنہوں نے کوئی خاص کتاب تو مرتب نہیں کی مگر تفسیر میں قائدانہ مقام رکھتے ہیں۔ نیز بعض نایاب تفسیروں کے متعلق اضافی نوٹ بھی لکھے گئے ہیں۔ زیرِ تبصرہ جلد اوّل میں دسویں ہجری تک کے ۳۵۰ مفسرین کا تذکرہ آگیا ہے۔ مقدمہ کتاب میں تفسیر قرآن کے مبادی تفسیر بالرائے وغیرہ پر بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے۔ مؤلف کتاب حضرت قاضی صاحب علمی دنیا کی طرف سے

تشکر و امتنان کے مستحق ہیں جنہوں نے اس اہم اور نئے موضوع پر قلم اٹھایا اور بڑی محنت اور عرق ریزی سے ایک جامع مفید اور مستند مجموعہ مرتب فرمایا۔ اگر ہماری رائے میں دوسرے ایڈیشن یا کتاب کی بقیہ جلدوں میں ان مفسرین کا تذکرہ بھی آجائے۔ جنہوں نے گو قرآن کریم کی ہر ایک آیت کی مکمل تشریح و تفسیر کا اگرچہ التزام نہیں فرمایا مگر چند آیات یا مشکل الفاظ کے بارہ میں نبی کریمؐ یا صحابہؓ تابعینؒ کی روایات و تفاسیر پر مفید کام کیا۔ جیسا کہ امام بخاری کی صحیح بخاری کا باب التفسیر، اس کے علاوہ مزید تتبع سے اس فہرست میں بے شمار ایسے مفسرین کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جنہوں نے اس موضوع پر عظیم اور ضخیم تفسیریں لکھیں۔ مثلاً تیسری صدی کے شیخ ابوبکر بن شیبہ ۲۳۵ھ۔ محمد بن یوسف فریابیؒ ۲۱۲ھ یا چوتھی صدی کے شیخ ابو القاسم اصبہانیؒ جن کی تفسیر ۳۰ جلدوں میں تھی یا اندلس کے ممتاز مفسر شیخ بن مخلد بقول علامہ ابن حزمؒ " ان کی تفسیر سے بہتر کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ بلکہ تفسیر ابن جریر طبری سے بھی بہتر" اسی طرح حافظ حدیث ابوبکر احمد بن مردویہ جن کی تفسیر اس دور کی مشہور تفاسیر میں شامل تھی، حضرت قاضی صاحب جن کا فکر و قلم ہمیشہ قرآن اور قرآنی خدمات میں منہمک ہے، مبارکباد کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ قرآن علوم و معارف اور کتب تفسیر کے احوال سے شغف رکھنے والے حضرات کو اس تاریخی اور سوانحی دستاویز سے بڑا فائدہ ہوگا۔

تحفۂ رمضان

(حصہ اول)

مؤلفہ مولانا عبدالحفیظ خطیب جامع مسجد گتہ فیکٹری راہوالی — ضلع گوجرانوالہ

صفحات ۱۲۸ — کاغذ سفید — قیمت ۹۰ پیسے

اس کتاب میں رمضان المبارک کے فضائل، احکام اور مسائل، خصائص و برکات آداب و احترام روزہ کے دعوات وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے اسلام کے اس اہم رکن کی اہمیت بخوبی راسخ ہو جاتی ہے۔ اور ذوق و شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ مصنف نے اسلام کے دیگر اہم مسائل عید الفطر، قربانی، فضائل قرآن وغیرہ پر بھی عام فہم زبان میں کئی مفید رسائل شائع کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرماوے اور ان کے قلم کو دین کی اشاعت کے لئے رواں دواں رکھے۔

REGD :— L. No 7681

مختصر قواعد

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

(۱) "الحق"، ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے۔

(۲) جن حضرات کو ۲۰ تاریخ تک بھی پرچہ نہ ملے تو وہ نمبر خریداری کے حوالہ سے ۲۸ تاریخ سے قبل دوبارہ رسالہ منگوا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

(۳) جملہ امور کے لئے خط و کتابت مینجر رسالہ سے کی جائے۔

(۴) جملہ مضامین یا تبصرے کی کتابیں مدیر رسالہ کے نام ارسال کی جائیں۔

(۵) جملہ مضامین یا تبصروں کی اشاعت ادارہ کے صوابدید پر ہوگی۔

(۶) الحق میں شائع شدہ مضامین بلا اجازت، رسائل یا کتابی شکل میں شائع نہ ہو سکیں گے۔

(۷) جملہ خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا پورا پتہ اور نمبر خریداری لکھنا چاہیئے۔

دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) مغربی پاکستان